قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۷ شمارہ: ۸

شعبان المعظم: ۱۴۴۵ھ - مارچ: ۲۰۲۴ء

قیمت فی شمارہ: ۶۰ روپے، زرِ سالانہ: ۷۰۰ روپے

مُدیر/مُدیرِ مسئُول

مولانا سیّد سُلیمان یوسُف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سیّد احمد یوسُف بنوری

مُدیرِ معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ : 40 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-0101900 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: + 92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

مسجدِ اقصیٰ کی حرمت اور علمائے کرام کی ذمہ داری	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

مکاتیب حضرت مولانا احمد رضا بجنوریؒ بنام حضرت بنوریؒ	۷	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
سیرتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں قضاء کے چند پہلو	۱۱	مولانا حمزہ ظفر
حفظانِ صحت کا لائحہ عمل تعلیماتِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی روشنی میں	۱۸	مولانا ڈاکٹر فہد انوار
اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا ... بہت بڑا گناہ	۳۰	مفتی عبید الرحمٰن
علمِ اُصولِ حدیث کا تعارف، اہم کتب اور محدثین وفقہاء کا منہج	۳۶	مولانا محمد صدیق ابوالحاج مظفری
ہیومن ازم اور ہیومن رائٹس ... ملحدانہ افکار کا مطالعہ (آخری قسط)	۴۶	مولانا محمد احمد حافظ

دار الافتاء

رمضان المبارک سے متعلق چند اہم مسائل واحکام	۵۸	ادارہ
رمضان المبارک کی اطلاع پر جہنم سے آزادی... روزے میں واجب غسل کا طریقہ ... رمضان میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر، روزے کا فدیہ ادا کرنے کا وقت		

نقد ونظر

علامہ اقبالؒ اور محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم... مسئلہ فلسطین	۶۲	ادارہ
میرا اسلامی تہوار		

مسجدِ اقصیٰ کی حرمت اور علمائے کرام کی ذمہ داری!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

فلسطین خصوصاً اہلِ غزہ پر اسرائیلی جارحیت اور ان کی نسل کشی کو آج ان سطروں کی تحریر کے وقت تک چار ماہ سے زیادہ ہو چکے ہیں، اور اسرائیل مسلسل ان پر وحشیانہ بمباری کر رہا ہے، کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں ڈیڑھ سو سے دو سو تک اہلِ غزہ شہید نہ کیے جا رہے ہوں۔ حد تو یہ ہے کہ اقوامِ متحدہ کی سب سے اعلیٰ عدالت (جسے عالمی عدالتِ انصاف کہا جاتا ہے) کے سترہ ججوں میں سے پندرہ ججوں کی اکثریت نے اسرائیل کو حکم دیا ہے کہ وہ غزہ میں نسل کشی روکے، غزہ میں انسانی امداد پہنچانے کی اجازت دی جائے۔ عدالت نے جنوبی افریقہ کی درخواست پر سماعت کرتے ہوئے کہا کہ غزہ میں انسانی المیہ جنم لے رہا ہے، یہ مقدمہ خارج نہیں کریں گے، لیکن اسرائیل کی ہٹ دھرمی دیکھیے کہ وہ آج بھی کہہ رہا ہے کہ نسل کشی کے الزامات جھوٹے اور اشتعال انگیز ہیں، نعوذ باللہ من شرّھم!

ان حالات میں مسلم حکمرانوں اور خصوصاً عوام الناس کو کیا کرنا چاہیے؟ اس کے لیے کراچی کی حد تک اہلِ سنت کے تمام مکاتبِ فکر کے علمائے کرام، مشائخِ عظام، خطباء اور واعظین حضرات کا ایک عظیم الشان اجتماع منعقد کیا گیا۔ کراچی کے علماء اور زعماء کا یہ متحدہ اجتماع مسجدِ اقصیٰ کی حرمت، فلسطین کے

حقوق اور علماء کرام کی ذمہ داری کے موضوع پر مؤرخہ ۳؍رجب المرجب ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۵؍جنوری ۲۰۲۴ء بروز پیر کراچی کے ہوٹل ریجنٹ پلازہ میں منعقد ہوا، جس میں کراچی کے مختلف مکاتبِ فکر کے نمائندہ علماء اور دانشوروں نے اپنی باوقار تقریروں میں مسجدِ اقصیٰ کی آزادی اور فلسطینی بھائیوں کے ساتھ مکمل یکجہتی کا اظہار کیا اور آخر میں درج ذیل اعلامیہ متفقہ طور پر جاری کیا گیا:

①- اسرائیل اپنے ناجائز قیام کے وقت سے فلسطین کے باشندوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے اور آج اس وحشیانہ ظلم وستم اور اس کے خلاف مجاہدینِ حماس کی سرفروشانہ مزاحمت کو پورے سو دن ہو چکے ہیں۔ اس دوران اسرائیل نے غزہ میں تاریخ کے بدترین قتلِ عام کا ارتکاب کرتے ہوئے تیس ہزار سے زیادہ بے گناہ شہریوں کو انسانیت سوز ظلم کا نشانہ بنا کر شہید کیا ہے، جن میں ستر فیصد عورتیں اور بچے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۴۲ مسجدوں، تین کلیساؤں اور غزہ کے بیشتر ہسپتالوں کو براہِ راست نشانہ بنایا ہے، جس میں سینکڑوں نومولود بچوں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے، یہاں تک کہ ۱۱۷؍صحافیوں اور ۴۵؍شہری دفاع کے کارکنوں کو بھی نہیں بخشا گیا۔ ۶۹۲۰۰ عمارتوں کو مکمل طور پر اور ۲۹۰۰۰۰ عمارتوں کو جزوی طور پر تباہ کر دیا ہے۔

②- پورا فلسطین وہاں کے اصل باشندوں کا ہے اور ان کو بے گھر کر کے مختلف ممالک سے صہیونیوں کی جو بستیاں قائم کی گئی ہیں، وہ سراسر ظلم اور ناانصافی پر مبنی ہیں اور اہلِ فلسطین کو اس جارحیت کے خلاف ہر طرح کی جدوجہد کا پورا حق حاصل ہے، لیکن مسجدِ اقصیٰ جو ہمارا قبلۂ اول اور نبی کریم ﷺ کے سفرِ معراج کی مقدس جگہ ہے، وہ پوری اُمتِ مسلمہ کی امانت ہے، جسے اسرائیل سے آزاد کرانا پوری اُمت کی ذمہ داری ہے۔

③- حماس کی موجودہ جنگ خالص اسلام کی بنیاد پر ایک عظیم الشان دفاعی جہاد ہے، جس کا اعلان حماس کے جانباز اور سرفروش مجاہدوں نے بار بار کیا ہے اور اس کا مقصد مسلمانوں کے قبلۂ اول اور خاتم الانبیاء ﷺ کے مقامِ معراج کو صہیونی تسلط سے آزاد کرانا ہے۔ مغربی طاقتوں، بالخصوص امریکہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ مجاہدین جو کسی کافرانہ طاقت سے آزادی کی جدوجہد کرتے ہیں، انہیں ''دہشت گرد'' قرار دے کر بدنام کیا جاتا ہے۔ حماس کو بھی یہ لقب دیا گیا ہے، حالانکہ وہ کثرتِ رائے سے منتخب سیاسی قوت ہے، جو اپنی سرزمین کو اسرائیل کے تسلط سے آزاد کرانے کے لیے سالہا سال سے جدوجہد کر رہی ہے، جسے اس کا پورا حق حاصل ہے۔

④- اسرائیل کے ساتھ یہ پہلی جنگ ہے جس میں مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسرائیل کے دبدبے کو خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے اور فضائی طاقت کے فقدان کے باوجود اسے بھاری جانی اور مالی نقصان

پہنچایا ہے۔ گزشتہ سو دنوں کے دوران کسی بھی مرحلے پر اسرائیل ان پر تسلط حاصل نہیں کرسکا، بلکہ کئی مقامات پر اس نے پسپائی کی ذلت اُٹھائی ہے۔

۵- علماء کرام کا یہ اجتماع شریعت کا حکم واضح کرنا چاہتا ہے کہ جب مسلمانوں کی زمین پر کوئی حملہ یا غاصبانہ تصرف کرے تو اس جگہ کے مسلمانوں پر پہلے جہاد فرض ہوجاتا ہے اور اگر وہ جہاد کے لیے کافی نہ ہوں تو اس کے قریب لوگوں پر درجہ بدرجہ جہاد فرض ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ دشمن کے ظلم کا خاتمہ ہوجائے، اس کے علاوہ مسجدِ اقصیٰ کو ظالموں کے تسلط سے آزاد کرانے کی ہر ممکن کوشش اُمتِ مسلمہ پر فرض ہے۔

۶- یہ اجتماع اس بات کو شدت سے محسوس کرتا ہے کہ یہ تاریخ کی ایسی فیصلہ کن گھڑی ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ پورا عالمِ اسلام جو انڈونیشیا سے مراکش تک پھیلا ہوا ہے اور قدرتی اور تزویراتی وسائل سے مالا مال ہے، اس وقت ایک مضبوط اور مشترک دفاعی موقف اختیار کرتا اور اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ تمام مسلمان چاہے کسی بھی ملک میں آباد ہوں، ایک جسم کی حیثیت رکھتے ہیں، افسوس ہے کہ حکومت کی سطح پر عالمِ اسلام اس حقیقت کا عملی ادراک نہیں کررہا ہے کہ اسرائیل کے اعلان کردہ عزائم پورے شرقِ اوسط کو نگلنے پر مشتمل ہیں اور اس موقع کی نزاکت کا احساس کرکے فلسطین کا ساتھ نہ دینا عالمِ اسلام کے مستقبل کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم کی ایک آیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

’’وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۭ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا أَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا‘‘ (النساء:۷۵،۷۶)

ترجمہ: ’’اور تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دعا کررہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لایئے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کردیجئے اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کردیجئے۔ جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے وہ طاغوت کے راستے میں لڑتے ہیں، لہٰذا تم شیطان کے دوستوں سے لڑو، شیطان کی چالیں درحقیقت کمزور ہیں۔‘‘

⑦- حکومتِ پاکستان نے غزہ کے لیے جو امدادی جہاز بھیجے ہیں وہ قابلِ تعریف ہیں، لیکن ہم حکومت سے یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے بھی اپنے بھائیوں کو امداد پہنچانے کے لیے سہولتیں فراہم کریں۔

⑧- ہم مسلمانوں اور تمام انصاف پسند انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اسرائیلی جارحیت کے خلاف اپنے پُرامن مظاہرے دنیا بھر میں جاری رکھیں اور دنیا کو اسرائیل کی وحشیانہ کارروائیوں سے باخبر کرکے اس کی غیرانسانی سرشت کو آشکار کریں۔

⑨- ہم مسلمانوں اور تمام انصاف پسند انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ ان میں سے جن کے سفارتی تعلقات اسرائیل سے قائم ہیں، وہ اسرائیل سے اپنے سفارتی اور تجارتی تعلقات ختم کریں اور ان کی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں۔

⑩- ہم مساجد کے ائمہ اور خطباء سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ عام مسلمانوں کے ذہن میں مسجدِ اقصیٰ کے فضائل اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فتح بیت المقدس اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی فتوحات بیان کریں اور مسجدِ اقصیٰ کو آزاد کرانے کے فریضے سے عوام کو روشناس کرائیں۔ فلسطین کے مسئلے کو زندہ رکھنے اور اس کے بارے میں عوامی آگاہی پیدا کرنے کے لیے اپنے جمعہ کے خطبوں میں مسئلے کی اہمیت واضح کریں اور اسرائیلی مصنوعات اور ایسی غیرملکی مصنوعات کا ممکن حد تک مکمل بائیکاٹ کرنے پر زور دیں، جن کا فائدہ بلاواسطہ یا بالواسطہ اسرائیل کو پہنچتا ہو۔

⑪- ائمہ اور خطباء سے یہ بھی درخواست ہے کہ غزہ کے مصیبت زدہ باشندوں اور مجاہدین کو زیادہ سے زیادہ مالی امداد پہنچانے کی جو کوششیں مختلف بااعتماد اداروں کی طرف سے ہو رہی ہیں، ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور اس کو ایک دینی فریضے کے طور پر انجام دینے کے لیے ایسی مہم چلائیں کہ ساری عوام اس میں شریک ہو۔‘‘

اللہ تبارک و تعالیٰ اہلِ غزہ کی مشکلات کو دور فرمائے، تمام مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق نصیب فرمائے۔ ملک، قوم اور ملت کے لیے ہم سب کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنے اور انہیں بروئے کار لانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ سیّد المرسلین.

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوریؒ

مکاتیب حضرت مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۳ / نومبر ۱۹۴۳ء

مکرم ومحترم مولانا البنوری دامت ألطافکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ مؤرخہ ۹ / ذیقعدہ کل ملا، شکریہ! میں نے بھی ۷ / نومبر کو ایک کارڈ بھیجا تھا۔ اُمید ہے کہ وہ خط ملا ہوگا۔... حضرت مولانا شبیر احمد صاحب (عثمانی) مدظلہ کا خط ملا ہے، وہ اس آئندہ سہ شنبہ (منگل) تک آجائیں گے۔... سنا ہے کہ مولوی عبدالجبار صاحب بھی نہیں آئیں گے، آپ سے شاید ملے ہوں۔... مشہور ہے کہ مولوی شمس الحق صاحب (افغانی) قلات والوں کو بھی دعوت دی ہے۔ ...اب مہتمم صاحب، مولوی ابراہیم کاوی صاحب کو بلا رہے ہیں؛ کیونکہ مولوی سعید صاحب ان کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ آپ کی ملاقات مولوی ہاشم صاحب سے ہوگئی، بہت اچھا ہوا۔ میں ان کو جلد خط لکھوں گا، اور آپ کی ملاقات کا بھی حوالہ دوں گا، امید ہے کہ آپ کی گفتگو کا اثر اچھا ہوا ہوگا، اور شاید وہ خود ہی سعی کر کے بقیہ مطبوعات بھجوا دیں۔ حیدرآباد سے مولوی عزیز احمد صاحب نے اپنی کتابیں وضع کر کے باقی بھیج دی ہیں، میں نے تجلیف کے خیال سے پارسل سورت منگوایا ہے، ابھی دو تین روز قبل پارسل آیا ہے۔ جو یادداشت پہلی مولوی صاحب موصوف نے بھیجی تھی، اس کے مطابق ہی (کتابیں) آئی ہیں، بلکہ ''إعراب القرآن'' اور ''المعتصر'' بھی نہیں وصول ہوئیں، وعدہ ہی ہے۔

مولانا آجائیں تو ان سے بھی مہدی یار جنگ کو پھر خط لکھوانے کا ارادہ ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب کی کتابیں خرید لینی چاہئیں، ضرورت پڑتی ہے، اور بعض مفقود ہوگئی ہیں۔ آپ بھی جو

کتابیں مجلس (علمی) کی ضرورت کی مل سکیں ضرور خرید لیں، اور قیمت ہم سے منگوالیں۔

''مخزنُ الادویہ'' کی صرف جلد اول اگر کارآمد ہو، یا دوسری سے اول زیادہ نافع ہو تو ضرور خرید لیں اگر قیمت مناسب ہو، ورنہ پھر مکمل ہی کی فکر کریں۔ فارسی کا ''مخزنُ الادویہ'' پرانا نسخہ بھی خرید لیں، اچھا ہے۔ ''رموز الاطباء'' جلد دوم شاید نہ ملی ہوگی، اور نہ ''مخزنِ حکمت'' جلد دوم، ورنہ آپ ضرور ذکر کرتے۔ ''جامع الحکمت'' ہر دو جلد مکمل کا بھی کوئی پرانا نسخہ مناسب قیمت سے مل جائے تو خرید لیں۔ مولانا عبد الحی صاحب (لکھنوی) کے رسائل بھی کچھ ملیں تو خرید لیں، بازار وغیرہ سے۔ مخدوم محترم حضرت والد صاحب قبلہ (مولانا محمد زکریا بنوری صاحب) اور دیگر حضرات کی خدمت میں سلام مسنون۔ اگر والد صاحب کی طبی کتب میں کوئی بہت اچھی کتاب ہو اور وہ مل سکے تو خرید لیں۔ اس سال یہاں (گجرات، انڈیا) متوسط درجہ کی گائے ایک سو (۱۰۰) کی اور بکرا چالیس (۴۰) کا اچھا ملتا ہے، اور بہت اچھی گائے سوا سو ڈیڑھ سو تک ہے۔ مہتمم صاحب نے کہا کہ آپ نے وہاں (پشاور میں) گائے کی قیمت پچاس روپے (۵۰) لکھی ہے، تعجب ہوا؛ کیونکہ دو تین سال قبل بھی ہماری طرف (بجنور میں) ۳۵، ۴۰ کی گائے اچھی ملتی تھی، اور اب تو ادھر بھی متوسط ۶۰ - ۷۰ میں ملے گی، جو کسی درجے میں یہاں (ڈابھیل) کے افریقی مالداروں کے لیے قربانی کے واسطے موزوں ہو۔ عزیزہ عائشہ سلمہا کیسی ہے؟ اس کا بھی کچھ حال لکھا کریں، باقی حالات بدستور ہیں۔ انگور وسیب وغیرہ کے نرخ کیا ہیں؟ چڑے بھی ارزاں ہیں یا نہیں؟ شہد کا نرخ کیا ہے؟ والسلام

احقر احمد رضا عفا اللہ عنہ

از سملک

تاریخ یکم اپریل سنہ ۴۵ء، یک شنبہ (اتوار)

مکرم و مخلصم مولانا دام کرمُکم!

سلامِ مسنون!

پرسوں آپ کا کارڈ ملا، حالات وخیریت معلوم ہو کر اطمینان ہوا، افریقہ سے بھی خط آیا ہے، ارسال کرتا ہوں۔ ارسالِ (کتب خانہ) مجلس (علمی) کے متعلق میرے خط میں الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

''مجلس کو سملک سے کسی مرکزی جگہ پر لے جانے کے لیے اور رسالہ ماہانہ کے اجراء کے بارے میں جنگ اور گرانی کی وجہ سے بہت سے اشکالات ہوں گے، اور اس لیے فی الحال مناسب نہیں ہے۔ تاہم آپ اس بارے میں تحقیق، تلاش وتجویز کیجیے، اور دونوں کاموں کے تخمینے تیار فرمائیے؛ تاکہ اس پر غور کیا جائے، اور اسباب فراہم ہوسکیں، اس سلسلے میں

اخراجاتِ سفر وغیرہ مصارف کے لیے دوسو روپے خرچ کیجیے، اور اچھی، مناسب اطمینان کی جگہ تلاش فرما کر روئیداد لکھ بھیجیے، ان شاء اللہ سرمایہ مہیا ہوجائے گا۔''

دوسرا جزء یہ ہے:

''گزشتہ سالوں کے ''الفرقان'' (لکھنو) میں ''جماعتِ اسلامیہ'' اور ''دارالاسلام'' لاہور کا کچھ حال پڑھے، اس تجویز کے متعلق آپ کی اور مولوی محمد یوسف صاحب سلمہ کی کیا رائے ہے؟ اور یہ خیال کامیاب ہوا یا نہیں؟ اگر معلوم ہو تو تفصیل سے لکھیے۔''

تیسرا جزء یہ ہے:

''برادر مولانا محمد یوسف صاحب کے متعلق اجمالی جواب حسبِ طلبِ آں محترم تار سے لکھ چکا ہوں، اس بارے میں مولانا احمد بزرگ صاحب، حاجی ابراہیم چچا صاحب اور آپ جو کچھ مناسب تجویز فرمادیں، مجھے منظور ہے۔''

پہلی چیز کہ اپنے اور میرے خط کے الفاظ کی روشنی میں غور کیجیے کہ ان کا جواب تسلی بخش ہے کہ نہیں؟ میں نے مولوی عتیق الرحمٰن صاحب (عثمانی) اور مولوی حکیم اسماعیل کو دہلی خطوط لکھے ہیں کہ کوئی جگہ ''قرول باغ'' یا ''دریا گنج'' میں تجویز کریں، یا وہاں (دہلی میں) اس وقت ممکن نہ ہو تو شاہدرہ (مضافاتِ لاہور) وغیرہ میں۔ غرض اس سفر میں اس چیز کو ضرور سامنے رکھنا چاہیے۔ دوسری چیز کے متعلق بھی آپ اب جدید معلومات کچھ ادھر سے فراہم کریں کہ اب یہ لوگ کچھ کررہے ہیں یا نہیں؟ تیسری چیز کا تعلق آپ کی تنخواہ وغیرہ سے ہے، اس لیے اس کو ڈابھیل واپس ہوکر طے کرلیا جائے گا، ان شاء اللہ!

''دیوبند'' سے حضرت مولانا (محمد انور) شاہ صاحب (کشمیریؒ) کی کتابیں ابھی تک ''ڈابھیل'' نہیں گئیں، اب میں نے خط لکھا ہے کہ ان کو ''بجنور'' ہی بھیج دیں؛ تاکہ یہاں ہم قیمت کا تعین کردیں، اور صرف ضرورت کی کتابیں یہاں سے ساتھ لے جائیں یا روانہ کردیں، اور باقی یہاں محفوظ کردیں کہ پھر دہلی وغیرہ کو ''مجلس'' منتقل ہوگی تو وہاں چلی جائیں گی۔ آپ اُمید ہے کہ ''بجنور'' تشریف لائیں گے، اسی وقت یہ کام بھی ہوجائے گا، ان شاء اللہ! بخدمتِ والد صاحب قبلہ (مولانا محمد زکریا بنوری)، ماموں صاحب (مولانا فضل صمدانی) اور سردار گل صاحب وغیرہ سلام مسنون!

واپسی کا ارادہ کب تک ہے؟ اگر ممکن ہو تو ''احرار کانفرنس، بجنور'' میں شرکت کریں۔ مولانا حسین احمد صاحب (مدنی) کا بیان ''زمزم'' (اخبار) اور مدینہ (اخبار) میں شائع ہوا ہے، دیکھ لیں۔ ڈابھیل سے مولوی حبیب اللہ صاحب کا خط ملا تھا، آپ کے گھر پر سب طرح خیریت لکھی ہے۔ یہاں والدہ صاحبہ اور سلیم سلمہ کا علاج ہورہا ہے، دونوں کو اِفاقہ ہے، البتہ بچی کو ادھر کا دودھ موافق نہیں، اس

لیے رُو بہ انحطاط ہے۔ والسلام

احقر احمد رضا عفا اللہ عنہ

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام مولانا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ

هو الله!

المجدُ عُوفي إذ عُوفيتَ والكرمُ
وزالَ عنك إلىٰ أعدائك الألَمُ

....

صحّتْ بصحّتِك الآمالُ وابتهجتْ
بها المَكارمُ وانهلّت بها الدِّيَمُ

السيّد السميدع المحترم العلّامة، أطال اللهُ حياتَكم الطيّبة في توفيقٍ لخدمة الدين، آمين!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

والا نامہ نے سرفراز فرمایا، ازالۂ درد وکرب سے خوشی ہوئی، لیکن بقاءِ ضعف سے بہت فکر ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے صحتِ کاملہ اور شفاء عاجل نصیب فرمائے، اور قوت وتوانائی دے؛ تاکہ علمی ودینی مُہمّات انجام دینے میں مزید تعویقات (رُکاوٹیں) پیش نہ آئیں۔ یہ ضروری ہے کہ جب تک پوری صحت عود کر نہ آئے دماغی بوجھ نہ اُٹھانا چاہیے۔ آپ کا مکتوبِ گرامی پہنچنے سے پہلے عریضہ ارسال کردیا تھا، ملاحظۂ سامی سے گزرا ہوگا۔ ''سید پور'' اور ''بھاگل پور'' حضرت مولانا حسین احمد صاحب (مدنی) پر شدید قاتلانہ حملے ہوئے، اخبارات میں پڑھ چکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور بچالیا۔ کل ہی ایک خط سے معلوم ہوا کہ ''سید پور'' کے اسٹیشن پر جس شقی نے حضرت کی ٹوپی پاؤں سے روندی تھی، اور پھر جلائی تھی، اگلے دن دریا میں غرق ہوگیا۔ اور جس تھانہ دار نے لیگی ہونے کی وجہ سے انتہائی تغافل کیا تھا، اس کا نوجوان لڑکا اگلے ہی روز مرگیا۔ نعم، ''من آذى لي وليًّا فقد آذنتهُ بالحرب'' صدق اللهُ ورسولُه الكريم.

(کتب خانہ مجلسِ علمی، ڈابھیل کے) دہلی منتقل ہونے میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے تعویق ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ کوئی صورت مہیا فرمائے۔ (۱)

---

(۱) نوٹ: اس مکتوب پر تاریخ درج نہیں، لیکن خط کے مندرجات کی بنا پر قرینِ قیاس ہے کہ سنہ ۱۹۴۶ء کی کسی تاریخ کو لکھا گیا ہے، انہی دنوں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے ساتھ مذکورہ ناخوش گوار واقعہ پیش آیا تھا۔ ملاحظہ فرمایئے: چراغِ محمد از مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ، ص: ۴۲۲ تا ۴۲۷، ط: دارالارشاد، اٹک۔

سیرتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں قضاء کے چند پہلو

مولانا حمزہ ظفر
فاضلِ جامعہ

اللہ جل شانہٗ نے انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے حضور ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات چونکہ قیامت کے لیے ہیں، اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں وہ تمام صفات وکمالات جمع ہوں، جن کی نسلِ انسانی کو ضرورت ہے۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ دنیائے عالم پر جو نقوش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ نے چھوڑے ہیں، تاریخِ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام کمالات کا مجموعہ اور اور تمام صفاتِ عالیہ کا مظہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلم بھی ہیں، مزکّی بھی ہیں، ہادی بھی ہیں، شارع بھی ہیں، منتظم بھی ہیں، سیاست دان بھی ہیں، جرنیل بھی ہیں، سپہ سالار بھی ہیں، معاشرت بھی آپ نے سکھائی، معیشت سے بھی آپ نے روشناس کرایا، جنگ کرنے کے طریقوں سے بھی آپ نے باخبر کیا، تجارت کے اصول بھی آپ نے بتلائے۔ بچوں کے ساتھ معاملات، بڑوں کے آداب، بیویوں کے درمیان برابری، اور بین الاقوامی تعلقات بھی آپ نے بتلائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلو ہیں، اور وہ تمام پہلو اپنے اندر اس قدر جامعیت رکھتے ہیں کہ نسلِ انسانی کی مکمل ہدایت کا سامان ہوجائے۔ سیرت کے انہی مختلف پہلوؤں میں سے ایک پہلو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاضی ہونا بھی ہے۔ ایک کامیاب اور پرامن معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ قوم کا قاضی عادل ہو، جو عدل وانصاف کو یقینی بنائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون عادل ہوسکتا ہے؟

’’عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعْرَانَةِ وَهُوَ يَقْسِمُ التِّبْرَ وَالْغَنَائِمَ، وَهُوَ فِيْ حِجْرِ بِلَالٍؓ، فَقَالَ رَجُلٌ: اعْدِلْ يَا مُحَمَّدُ! فَإِنَّكَ لَمْ تَعْدِلْ، فَقَالَ: ’’وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ بَعْدِي إِذَا لَمْ اَعْدِلْ؟ ‘‘ فَقَالَ عُمَرُ: دَعْنِي يَا رَسُوْلَ اللهِ! حَتّٰى اَضْرِبَ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ’’إِنَّ هٰذَا فِيْ اَصْحَابٍ، اَوْ اُصَيْحَابٍ لَهٗ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ،

یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ.‘‘(۱)

’’حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ جعرانہ میں تشریف فرما تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گود میں سے سونا، چاندی اور اموالِ غنیمت (لوگوں میں) تقسیم فرمارہے تھے، تو ایک شخص نے کہا: اے محمد! عدل وانصاف کیجیے، آپ نے عدل سے کام نہیں لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’تیرا برا ہو، اگر میں عدل وانصاف نہ کروں گا تو میرے بعد کون عدل کرے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، میں اس منافق کی گردن اُڑادوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اس کے اور بھی ساتھی ہیں جو قرآن کو پڑھتے ہیں، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترتا ہے، وہ دین سے ایسے ہی نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔‘‘

بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فیصلہ ہمیشہ عدل وانصاف کے لیے اعلیٰ معیار ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی اہمیت

اللہ جل شانہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے مابین حکم اور فیصلہ کرنے والا بنا کر بھیجا، اور لوگوں کے ایمان کو آپ کے فیصلے پر راضی ہونے سے مشروط کردیا، چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ:

’’فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا‘‘(۲)

’’پھر قسم ہے آپ کے رب کی! یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کروائیں، پھر اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کرلیں۔‘‘(۳)

اور ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

’’اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللہُ.‘‘(۴)

’’بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلادیا ہے اور آپ ان خائنوں کی طرف داری کی بات نہ کیجیے۔‘‘(۵)

نبوت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات ایسی ہیں کہ اہلِ عرب نبوت سے پہلے بھی ان کے معترف رہے، اور

نبوت کے اعلان کے بعد بھی ان صفات کا چرچا ان کے درمیان رہا، اور کیا دشمن، کیا دوست سب ہی ان صفات کے معترف اور قائل رہے۔ ان صفات میں سے ایک صفت درست اور مبنی برحق فیصلہ کرنے کی تھی۔ نہ صرف نبوت کے بعد بلکہ نبوت سے پہلے بھی مشرکینِ مکہ اپنے مختلف جھگڑوں اور تنازعات میں آپ کے فیصلوں پر سرِتسلیم خم کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ محض بیس سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امن و آشتی کے پرچار اور ظلم کے خلاف مظلوم کی دادرسی کرنے کے لیے حلف الفضول نامی معاہدے میں شریک ہوئے۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے قبل جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی، اور حجرِ اسود کو نصب کرنے پر جھگڑا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نے حَکم مان کر آپ کے فیصلے پر عمل کیا، ابوطالب نے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اشعار پڑھے: (۶)

إِنَّ لَنَا اَوَّلَهٗ وَ آخِرَهٗ
فِيْ الْحُكْمِ وَالْعَدْلِ الَّذِيْ لَا نُنْكِرُهٗ

ترجمہ: ''وہی ہمارے لیے اول ہیں، اور وہی ہمارے لیے آخر ہیں، اور فیصلے میں اور عدالت میں ہم ان کا انکار نہیں کرتے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کرنے کا طریقہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فریقین کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے، اور ان کے درمیان ایسا فیصلہ فرماتے تھے کہ جس سے صاحبِ حق کو اس کا حق مل جائے۔ اکثر اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم فریقین میں صلح کروادیا کرتے تھے، اور انہیں دوسرے کا حق دبانے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وعید سناتے تھے۔ ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کرنے کے مختلف طریقے ذکر کیے جاتے ہیں:

صلح کروانا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر و بیشتر یہی کوشش ہوتی تھی کہ فریقین کے مابین صلح ہوجائے، اور خوش اسلوبی کے ساتھ معاملہ نمٹ جائے، اور اگر مصلحت دیکھتے تو ایک فریق کے حصہ میں سے کچھ کمی بھی کردیتے، تاکہ معاملہ سلجھ جائے، چنانچہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ان کا کچھ قرض ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ پر تھا، اور انہوں نے مسجدِ نبوی میں ان سے قرض وصول کرنے کا تقاضا کیا، اس دوران کچھ آواز بلند ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرۂ مبارکہ کا پردہ ہٹا کر حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور کچھ قرض کم کرنے کا کہا، جسے انہوں نے فوراً کم کردیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو بقایا قرض ادا کرنے کا حکم دیا، یوں دونوں کے مابین نزاع دور ہوا۔ (۷)

شرعی حکم کے مطابق فیصلہ

اگر فریقین میں صلح نہ ہوسکتی تو رسول اللہ ﷺ شریعت کے حکم کے عین مطابق ان کے درمیان فیصلہ فرماتے، جیسے: ایک موقع پر ایک انصاری صحابیؓ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ پانی کے حوالے سے جھگڑا کیا، آپ ﷺ نے پہلے صلح کے طور پر تخفیف فرمائی، لیکن انصاری کے نہ ماننے پر آپ ﷺ نے شریعت کے مطابق فیصلہ فرمایا۔''(۸)

یہاں آپ ﷺ نے ابتداء میں کچھ تخفیف والا فیصلہ فرمایا، اور علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اشارہ بھی کیا کہ وہ کچھ تخفیف کریں، (۹) تاکہ فریقین کی رعایت ہوجائے، لیکن دوسری مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا مکمل حق دیا، اور انصاری کے حق میں بھی کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔

جھوٹی قسم کھانے سے ڈرانا

اگر مدعی کے پاس اپنے دعویٰ پر گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے، یہی اسلامی طریقہ ہے۔ آپ ﷺ گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعا علیہ کو قسم کھانے کا حکم دیتے، لیکن جھوٹی قسم کھانے پر وعید سے ڈراتے، اور یہ بھی آپ کی رحمت ہی کا ایک مظہر تھا، تاکہ انسان سمجھ جائے اور دنیا کے تھوڑے فائدے کے لیے اپنے اُخروی اور دائمی فائدے سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔

ایک فیصلے کے دوران جب مدعا علیہ قسم کھانے لگا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

''مَنِ اقْتَطَعَ اَرْضًا ظَالِمًا لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانٌ.''(۱۰)

''جس کسی نے دوسرے کی زمین ظلم کرتے ہوئے ہتھیالی، تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ جل شانہ اس پہ غضبناک ہوں گے۔''

خلافِ شرع حکم کو رد کرنا

آپ ﷺ نہ صرف شریعت کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے، بلکہ خلافِ شریعت کیے گئے فیصلوں کو بدل کر درست فیصلہ کیا کرتے تھے، چنانچہ جب ایک موقع پر دو شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، اور وہ دونوں کسی مسئلے میں آپسی رضامندی سے فیصلہ کرچکے تھے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

''لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، اَمَّا الْوَلِيْدَةُ وَالْغَنَمُ فَرَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ، وَتَغْرِيْبُ عَامٍ.''(۱۱)

''میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، وہ باندی اور تمہاری بکریاں تمہیں لوٹا دی جائیں گی، اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے، اور سال بھر کی جلاوطنی ہوگی۔''

یہاں آپ ﷺ نے خلافِ شریعت فیصلے کو منسوخ کر کے عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

نزاع ختم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا

آپ ﷺ فریقین میں صلح کروانے اور نزاع ختم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر کسی معاملہ میں کوئی ذمہ داری قبول کرنے والا نہ ہوتا تو آپ ﷺ اپنی طرف سے مظلوم کی داد رسی فرماتے، چنانچہ ایک موقع پر جب عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کا مقتول جسم خیبر میں پایا گیا اور کسی طرح بھی اس کے قاتل کی تعیین نہ ہوسکی، اور معاملہ کسی طور نہ سلجھ سکا تو آپ ﷺ نے اپنے پاس سے ان کی دیت ادا فرمائی۔ (۱۲)

ایسے ہی آپ ﷺ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد کا قرض ادا کرنے کے لیے خود تشریف لائے، اور قرض خواہوں کو اپنے دستِ مبارک سے کھجوریں دیں، جبکہ اس سے پہلے قرض خواہ ان کھجوروں کے لینے سے انکار کر چکے تھے۔ (۱۳)

ظاہری حالت پر فیصلہ کرنا

رسول اللہ ﷺ فریقین کی ظاہری حالت پر فیصلہ فرماتے تھے، اور بسا اوقات وحی کے ذریعے اس فیصلے کی تائید یا اس کے بارے میں کوئی آیت نازل ہوجاتی، خود آپ ﷺ نے فرمایا:

’’إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَإِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ، فَإِنْ قَضَيْتُ لِأَحَدٍ مِّنْكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ حَقِّ اَخِيْهِ، فَإِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ، فَلاَ يَاْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا.‘‘ (۱۴)

’’تم لوگ میرے یہاں اپنے مقدمات لاتے ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تم میں دوسرے سے دلیل بیان کرنے میں بڑھ کر ہوتا ہے، پھر میں اس کو اگر اس کے بھائی کا حق دلا دوں، تو میں اس کو دوزخ کا ایک ٹکڑا دلا رہا ہوں۔‘‘

قاضیوں کے لیے ہدایاتِ نبوی

آپ ﷺ نے زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق امت کو ہدایت دی ہیں، قضاۃ اور حاکم کو بوقتِ قضاء اور فیصلہ کرتے وقت کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے، آپ ﷺ نے اپنے ارشادات سے ان کے حوالے سے مکمل رہنمائی کی ہے، چنانچہ فرمانِ نبوی ہے:

’’لاَ يَحْكُمُ الحَاكِمُ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانٌ.‘‘ (۱۵)

’’قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

’’ فَإِذَا جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْكَ الْخَصْمَانِ، فَلَا تَقْضِيَنَّ حَتّٰى تَسْمَعَ مِنَ الْآخَرِ. ‘‘(۱۶)

’’جب دونوں فریق تمہارے سامنے بیٹھ جائیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو۔‘‘

آپ ﷺ کے متفرق فیصلے

آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں کئی فیصلے کیے۔ یہ تمام فیصلے مبنی برحق ہونے کے ساتھ ساتھ پوری اُمت کے لیے کئی اسباق لیے ہوئے تھے۔ ذیل میں آپ ﷺ کے چند فیصلے ذکر کیے جاتے ہیں:

❶ - نبی کریم ﷺ نے بنی مخزوم کی عورت کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا، باوجود یہ کہ اس عورت کے حق میں کئی سفارشیں آئیں۔ (۱۷)

❷ - آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ جو کوئی قتلِ خطا میں مارا جائے، اس کی دیت سو اونٹ ہوگی۔ (۱۸)

❸ - بچہ کے نسب کے متعلق آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ بچہ کا نسب اپنی ماں کے شوہر سے ہی ثابت ہوگا۔ (۱۹)

❹ - آپ ﷺ نے قابلِ تقسیم چیزوں میں شرکاء کے درمیان شفعہ کا فیصلہ فرمایا۔ (۲۰)

خلاصہ

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے، اور آپ ﷺ نے کارخانۂ قدرت میں کام کرنے والے ہر شخص کے لیے اس کے میدان سے متعلق مکمل رہنمائی فرمائی ہے۔ موجودہ زمانے کے جج اور جرگہ و پنچائیت کے فیصلہ کنندگان کے لیے یہ درس ہے کہ وہ اس منصب و ذمہ داری کو امانت سمجھیں، ان کے قلم کی جنبش کسی ظالم کا سر بھی قلم کرواسکتی ہے، اور مظلوم کے خلاف بھی استعمال ہوسکتی ہے، اس لیے قاضی کو بہت سنبھل کر رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ بہت ہی نازک مرحلہ ہے، اسی لیے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے قاضی کے متعلق فرمایا: ’’جسے قاضی بنادیا گیا، وہ بغیر چھری کے ذبح کردیا گیا۔‘‘(۲۱) بحیثیت مسلمان جج اور فیصل ایسے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کریں۔

حوالہ جات

۱ - سنن ابن ماجة، باب في ذكر الخوارج.
۲ - سورۃ النساء: ۶۵
۳ - ترجمہ بیان القرآن از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

۴-سورۃ النساء:۱۰۵۔
۵-ترجمہ بیان القرآن از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
٦- أبو عبدالله، محمد بن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ذكر هدم قريش الكعبة، ١١٧/ ١، ط: دار الكتب العلمية.
٧- البخاري، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب التقاضي والملازمة في المسجد، رقم الحديث: ٤٥٧، ط: دار طوق النجاة.
٨- البخاري، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب المساقاة، باب سكر الأنهار، رقم الحديث: ٢٣٥٩، ط: دار طوق النجاة.
٩- الآلوسي، شهاب الدين محمود، تفسير روح المعاني، سورة النساء، الآية: ٦٥، ٩٥/ ٥، ط: مكتبه رشيديه.
١٠- القشيري، مسلم بن الحجاج، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة، رقم الحديث: ٢٠٠، ط: المكتبة الفاروقية.
١١- البخاري، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا صلحوا على جور، رقم الحديث: ٢٦٩٥، ط: دار طوق النجاة.
١٢-البخاري، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب كتاب الحاكم إلىٰ عماله، رقم الحديث: ٧١٩٢، ط: دار طوق النجاة.
١٣- النسائي، أحمد بن شعيب، كتاب الوصايا، باب قضاء الدين قبل الميراث، رقم الحديث: ٣٦٣٩، ط: دار المعرفة.
١٤- الترمذي، محمد بن عيسىٰ، سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما جاء في التشديد على من يقضى له بشيء، رقم الحديث: ١٣٣٩، ط: دار الغرب الإسلامي.
١٥-الترمذي، محمد بن عيسىٰ، سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما جاء القاضي لا يقضي وهو غضبان، رقم الحديث: ١٣٣٤، ط: دار الغرب الإسلامي.
١٦- السجستاني، سليمان بن أشعث، سنن أبي داود، كتاب الأقضية، باب كيف القضاء، رقم الحديث: ٣٥٨٢، ط: دار المعرفة.
١٧- الترمذي، محمد بن عيسىٰ، سنن الترمذي، أبواب الحدود، باب ما جاء في كراهية أن يشفع في الحدود، رقم الحديث: ١٤٣٠، ط: دار الغرب الإسلامي.
١٨-السجستاني، سليمان بن أشعث، سنن أبي داود، كتاب الديات، باب الدية كم هي، رقم الحديث: ٤٥٤٣، ط: دار المعرفة.
١٩- البخاري، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب الفرائض، باب الولد للفراش، رقم الحديث: ٦٧٤٩، ط: دار طوق النجاة.
٢٠- الترمذي، محمد بن عيسىٰ، سنن الترمذي، أبواب الحدود، باب ما جاء في الشفعة، رقم الحديث:١٣٦٨، ط: دار الغرب الإسلامي.
٢١-السجستاني، سليمان بن أشعث، سنن أبي داود، كتاب الأقضية، باب في طلب القضاء، رقم الحديث: ٣٥٧٤، ط: دار المعرفة.

حفظانِ صحت کا لائحہ عمل

تعلیماتِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی روشنی میں

مولانا ڈاکٹر فہد انوار
اسلام آباد

مصلحینِ عالم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واضح امتیاز یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کی بھلائی اور دنیا و آخرت میں چین سے رہنے کے لیے ایسے نفیس ارشادات فرمائے ہیں، جو سرمۂ بصیرت ہیں۔ مصنفین و محققین ان ہی موتیوں کو پروکر عام کر دیتے ہیں۔ ان مبارک تعلیمات کا ایک پہلو صحت سے متعلق ہے، جس میں صحت کی حفاظت اور بیماری کا علاج دونوں پہلو ملتے ہیں۔ حفظانِ صحت کی اہمیت اور اس کے حصول کے طریقۂ کار کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ایک لائحہ عمل ملتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آج بین الاقوامی سطح پر علاج کو احتیاطی preventive medicine اور معالجاتی curative medicine میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اب ''احتیاط علاج سے بہتر ہے'' کہ پیشِ نظر طب کے احتیاطی پہلوؤں کو بطور خاص مرکوز کیا جا رہا ہے۔ عالمی وبا کورونا اور دیگر متعدی امراض سے بچاؤ کی خاطر صفائی ستھرائی اور خوراک کے ذریعے مدافعت کے نظام کو بہتر بنانے پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ اس عصری رجحان کو مدِنظر رکھتے ہوئے جب سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صفائی اور پاکیزگی، ماحولیاتی آلودگی کی روک تھام، متوازن خوراک کے اہتمام، ورزش اور جسم کی سلامتی (فٹنس) کے حوالے سے حکیم و دانا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیش بہا تعلیمات مشعلِ راہ ہیں۔ اس کے ساتھ ایسی دعائیں بھی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ سے صحت و سلامتی طلب کی گئی ہے۔

صحت کی اہمیت

صحت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

’’عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهٗ: اغْتَنِمْ خَمْساً قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ.‘‘

(الترغيب والترهيب للمنذري، كتاب التوبة والزهد، رقم: ٥٠٨١)

’’رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ’’پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو اپنے مرض سے پہلے، اپنے مال دار ہونے کو اپنی محتاجی سے پہلے، اپنی فراغت کو اپنی مصروفیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔‘‘

تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ عموماً صحت مند ہونے کی حالت میں آدمی کی توجہ اس عظیم نعمت کی طرف نہیں ہوتی اور یہ قیمتی زمانہ ضائع ہوجاتا ہے۔ عبادات کی کثرت، دین کی محنت اور خدا تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال میں مشغولیت جیسے صحت مند ہونے کی حالت میں ہوسکتی ہے، ایسے بیماری کے وقت نہیں ہوسکتی۔ اسی بات کی طرف سرکارِ دوعالم ﷺ متوجہ فرماتے ہیں:

’’عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ.‘‘

(صحيح البخاری، باب لا عيش إلا عيش الآخرة، رقم: ٦٤١٢)

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت لوگ دھوکے میں پڑے ہیں: صحت اور فراغت۔‘‘

صحت کی سلامتی کی دعائیں

آنحضرت ﷺ نے صحت کی اہمیت بیان فرمانے، حفظانِ صحت کے اصول اور علاج کے اسباب بیان کرنے کے ساتھ مسبب الاسباب سے صحت اور سلامتی کو بھی سکھایا۔ ملاحظہ فرمائیں:

’’اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَسْاَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ.‘‘ (مشكاة المصابيح، باب جامع الدعاء، رقم: ٢٥٠٠)

’’اے اللہ! میں آپ سے صحت وتندرستی اور پاکدامنی و پارسائی امانت اور اچھی سیرت اور تقدیر پر راضی رہنے کی درخواست کرتا ہوں۔‘‘

کئی جگہوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عافیت کی دعا مانگی ہے، بلکہ امت کو اس کے مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بار بار عافیت کی دعا مانگنے کو ارشاد فرمایا:

’’عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِيْ شَيْئًا اَسْأَلُهُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ: سَلِ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَمَكَثْتُ اَيَّامًا، ثُمَّ جِئْتُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِيْ شَيْئًا اَسْأَلُهُ اللّٰهَ، فَقَالَ لِيْ: يَا عَبَّاسُ! يَاعَمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ! سَلِ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.‘‘

(سنن الترمذي، أبواب الدعوات، ج:۲، ص:۱۹۱، ط:قدیمی)

’’حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے ایسی چیز بتایئے جو میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ سے عافیت مانگو، میں کچھ دن ٹھہرا رہا اور پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے ایسی چیز بتایئے جو میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: اے عباس! اے رسول اللہ کے چچا! اللہ سے دنیا و آخرت میں عافیت مانگا کرو۔‘‘

عافیت ایک ایسی جامع چیز ہے جس میں دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں شامل ہیں۔ شارحِ مشکاۃ علامہ نواب قطب الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

’’عافیت کے معنی دین میں فتنہ سے سلامتی اور بدن میں بری بیماریوں اور سخت رنج سے نجات ہے۔‘‘ (مظاہر حق جدید، ج:۲، ص:۷۰۷)

’’وَعَنْ اَنَسٍ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - عَادَ رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ خَفَتَ، فَصَارَ مِثْلَ الْفَرْخِ، فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: (هَلْ كُنْتَ تَدْعُو اللّٰهَ بِشَيْءٍ اَوْ تَسْاَلُهٗ إِيَّاهُ)؟! . قَالَ: نَعَمْ، كُنْتُ اَقُوْلُ: اللّٰهُمَّ مَاكُنْتَ مُعَاقِبِيْ بِهٖ فِي الْآخِرَةِ فَعَجِّلْهُ لِيْ فِي الدُّنْيَا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- (سُبْحَانَ اللّٰهِ! لَا تُطِيْقُهٗ وَلَا تَسْتَطِيْعُهٗ: اَفَلَا قُلْتَ: اللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ؟ قَالَ: فَدَعَا اللّٰهَ بِهٖ فَشَفَاهُ اللّٰهُ.‘‘ (رواه مسلم، مشكاة، باب جامع الدعاء، رقم:۲۵۰۲)

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، وہ شخص پرندے کے بچے کی طرح لاغر اور کمزور ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کی تھی؟ انہوں نے عرض کیا کہ: میں اللہ سے دعا

کرتا تھا کہ اے اللہ! جو عذاب تو نے مجھے آخرت میں دینا ہے، وہ دنیا ہی میں دے دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سُبْحَانَ اللهِ!'' تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور تم میں اتنی استطاعت ہی نہیں، تم یہ دعا کیوں نہیں کرتے تھے: '' اللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْأٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.'' یعنی ''اے اللہ! ہمارے ساتھ دنیا وآخرت میں بھلائی کا معاملہ فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔'' چنانچہ انہوں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دے دی۔''

''وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللهُ شَيْئًا يَعْنِيْ اَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ اَنْ يُّسْاَلَ الْعَافِيَةَ.'' (رواه الترمذي، مشكاة، كتاب الدعوات، رقم: ٢٢٣٩)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے اور اللہ تعالیٰ سے عافیت سے بڑھ کر اس کی پسندیدہ چیز نہیں مانگی گئی۔''

مرقاۃ میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ عافیت اللہ تعالیٰ کو اس لیے زیادہ محبوب ہے کہ یہ لفظ دونوں جہانوں کی بھلائیوں کا جامع ہے، جس میں صحت اور سلامتی شامل ہے۔

صفائی ستھرائی کے متعلق

- نبی اکرم ﷺ کی مبارک تعلیمات کا ایک حصہ صفائی اور پاکی کے متعلق ہے۔ لباس اور جسم کی صفائی اور طہارت سے لے کر گھر، مسجد، ماحول کی صفائی کے متعلق آپ ﷺ کے ارشادات اور عملی اقدامات موجود ہیں۔ قرآنِ کریم جو آپ کا عطا کردہ زندہ معجزہ ہے، اس میں ارشادِ باری ہے:

''إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ.'' (البقرۃ:۲۲۲)

''بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طرف کثرت سے رجوع کریں، اور ان سے محبت کرتا ہے جو خوب پاک صاف رہیں۔''

''وَاللهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ.'' (التوبۃ:۱۰۸)

''اللہ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے۔''

اس آیت کے شانِ نزول میں حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے متعدد روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا

ہے اس آیت میں جن لوگوں کی تعریف بیان کی گئی ہے وہ پانی سے استنجا کا اہتمام کرتے تھے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اہلِ قبا سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے، تم لوگ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ ہم پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، ج:۴،ص:۱۹۰)

- ''وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔'' (المدثر:۴)

''اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔''

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو اپنے کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا گیا۔ مشرکین طہارت کا اہتمام نہیں کرتے تھے، ان کے برعکس رسول اللہ ﷺ کو پاک وصاف رہنے کا حکم دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام صفائی اور پاکیزگی کا کتنا خیال رکھتا ہے۔ (ابن کثیر، ج:۸،ص:۲۷۸)

''الْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ، وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ.''

(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب الأمر بالكحل، رقم:۳۸۷۸)

''نبی ﷺ نے فرمایا: سفید لباس پہنو کہ وہ زیادہ پاکیزہ ہے۔''

- حدثِ اکبر (بڑی ناپاکی) سے پاک ہونے کے لیے غسل لازمی قرار دیا گیا، جبکہ حدثِ اصغر (چھوٹی ناپاکی) سے پاک ہونے کے لیے وضو لازمی کیا گیا۔ ایسے ہی بول و براز کے بعد پانی سے استنجا مقرر کیا گیا۔ یہ تمام اقدامات جسم کی صفائی وستھرائی اور بیماریوں کی روک تھام میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ موجودہ عالمگیر وبا کورونا کے پھیلاؤ کی احتیاطی تدابیر میں ہاتھوں کو بار بار دھونے کی تاکید کی جاتی ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق طہارت کے اصولوں کا خیال رکھنے اور نمازِ پنجگانہ کے لیے وضو کرنے سے یہ حفاظتی تدبیر خود بخود ادا ہوجاتی ہیں، گویا اسلام کے پیروکار یہ کہتے نظر آرہے ہیں:

تنگ آ جائے گی اپنے چلن سے آخر دنیا
تجھ سے سیکھے گا زمانہ تیرے انداز کبھی

- ایسے ہی راستے میں بول و براز (پیشاب پاخانہ) کرنے والے کو سخت الفاظ میں ڈانٹا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''لعنت کا مستحق بننے سے بچو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ: یہ لعنت کا مورد بننے والے لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو لوگوں کی گزرگاہ یا سایہ کی جگہوں پر بول و براز کرتے ہیں۔''

(سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب المواضع التي نهى النبي ﷺ)

غور کیا جائے تو یہاں ایک طرف تو دیگر انسانوں کو ایذا پہنچانے سے بچایا گیا اور دوسری طرف

راستوں کی صفائی ستھرائی کا بھی انتظام کر دیا گیا۔ اور یہ کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ نے کامل مسلمان قرار ہی ایسے شخص کو دیا جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور نہ ہی اس میں غسلِ جنابت کرے۔'' (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب لا يبولن أحدكم في الماء الراكد)

- ماحولیاتی آلودگی کے تدارک کی ہی ایک شکل وہ ہے جسے ہم مردہ دفن کرنے کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ فوت ہونے پر مردہ کو جلایا بھی جا سکتا تھا، سمندر کے حوالے بھی کیا جا سکتا تھا اور تہِ خاک بھی دفن کیا جا سکتا تھا۔ ہر صاحبِ فہم اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ ان سب میں بہترین طریقہ دفن کرنے کا ہے، جس میں انسانی جسم کی تکریم بھی ہے اور آلودگی سے حفاظت بھی ہے۔ نبی ﷺ نے دفن کرنے اور قبر کے متعلق امت کو تعلیم دی اور یوں جسمِ انسانی کے احترام کے پہلو کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ جسمِ انسانی کے اندر طبعی طور پر پیدا ہو جانے والی غلاظتوں اور کثافتوں سے اہلِ زمین کو محفوظ کر دیا گیا۔
- ماحولیاتی آلودگی کم کرنے میں خوشبو کا بڑا اثر ہے۔ خوشبو سے طبیعت میں ایک تازگی اور فرحت محسوس ہوتی ہے، اچھی خوشبو سے انسان کو سکون ملتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ ترین چیزوں میں سے ایک خوشبو ہے۔ صبح نیند سے بیدار ہو کر وضو فرمانے کے بعد آپ ﷺ خوشبو لگاتے تھے۔

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کا ایک سکہ تھا جس سے خوشبو لگاتے تھے۔''

(سنن أبي داود، كتاب الترجل، باب ما جآء في استحباب الطيب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جسے خوشبو پیش کی جائے وہ اسے واپس نہ کرے کہ وہ دینے والے پر اس کا دینا بھی آسان ہے۔'' (أيضًا، باب في رد الطيب)

- آنحضرت ﷺ نے راستہ صاف رکھنے کو بھی ایمان کی بات قرار دیا۔ آپ ﷺ نے ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے بتلائے اور راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو بھی ایمان ہی کا ایک شعبہ قرار دیا:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ لا إلٰه إلا الله کا اقرار ہے اور ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے اور حیا ایمان ہی کا ایک شعبہ ہے۔'' (متفق عليه، مشكاة، كتاب الإيمان)

غذا سے متعلق ہدایات

''يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ إِنَّهٗ لَكُمْ

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔'' (البقرۃ:۱۶۸)

''اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال پاک چیزوں کو کھاؤ (برتو) اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو، فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

آیتِ کریمہ میں غذا سے متعلق دو معیار ذکر کیے گئے ہیں:

اول: حلال ہو — دوم: پاکیزہ ہو

درحقیقت طیب (پاکیزہ ہونا) حلال ہی کی تاکید ہے، کیونکہ شریعت کی حلال کردہ تمام اشیاء پاکیزہ ہیں، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی تعریف میں ارشادِ ربانی ہے:

''اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' (الاعراف:۱۵۷)

''جو لوگ کہ ایسے رسول (ﷺ) نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توراۃ و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، (جن کی صفت یہ بھی ہے) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں، سو جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

چنانچہ شریعت نے جن اشیاء کا کھانا پینا حرام کیا ہے، وہ اشیاء ایک نفیس ذوق اور سلیم طبیعت رکھنے والے شخص کے نزدیک بھی ناپسندیدہ ہیں۔ حشرات الارض، درندے، مردار اور نجاست کھانے والے پرندوں سے ایک عام آدمی بھی گھن محسوس کرتا ہے اور صحت کے لیے ان کا مضر ہونا بھی واضح ہے۔ خنزیر اور شراب کے برے اور تباہ کن اثرات کا مشاہدہ مغربی دنیا اور ان کے ہمنواؤں میں بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ شراب پینے سے آدمی کی عقل تو متاثر ہوتی ہی ہے، جس کی وجہ سے وہ واہی تاہی بھی بکتا ہے، لیکن جسمانی صحت پر بھی اس کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ شراب دل کے دورے کے امکانات بڑھاتی ہے، معدہ اور جگر کو شدید متاثر کرتی ہے، جس کے نتیجے میں پورا بدن متاثر ہوتا ہے۔ یورپ اور امریکا میں ٹریفک ایکسیڈنٹ کی ایک اہم وجہ

شراب وغیرہ کے نشے میں ڈرائیونگ کرنا بھی ہے۔ قرآنِ کریم شراب کو گندگی اور شیطانی عمل قرار دیتا ہے:

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ'' (المائدہ:۹۰)

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو، تاکہ تم کو فلاح ہو۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

قرآن حکیم میں خنزیر کے گوشت کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے:

''حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِکُمْ فِسْقٌ اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ'' (المائدہ:۳)

ترجمہ: ''تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نامزد کردیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرجاوے اور جو کسی ضرب سے مرجاوے اور جو اونچے سے گر کر مرجاوے اور جو کسی ٹکر سے مرجاوے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے، لیکن جس کو ذبح کرڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے۔ یہ سب گناہ ہیں۔ آج کے دن ناامید ہوگئے کافر لوگ تمہارے دین سے، سو اُن سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔ آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کرلیا۔ پس جو لوگ شدت کی بھوک میں بیتاب ہوجاوے، بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں، رحمت والے ہیں۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

ایک مسلمان کے لیے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسول ﷺ کا ارشاد ہی کافی ہے، لیکن ہم جدید سائنسی تحقیقات سے بھی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر حکیم سید قدرت اللہ قادری سابق پرنسپل نظامیہ میڈیکل کالج حیدرآباد اپنی وقیع تصنیف ''اسلام اور جدید میڈیکل سائنس'' میں لکھتے ہیں:

''جدید تحقیقات (پریونٹو اینڈ سوشل میڈیسن) نے ثابت کردیا کہ اس (خنزیر) کے اندر بے حد نقصانات ہیں۔ اس کے خون مین عام خون کی طرح یورک ایسڈ ہے جو ہر جاندار کے خون میں ہوتا

ہے، اور ذبیحہ کی صورت میں خون سے خارج ہوجاتا ہے، مگر سور کے اندر اس کے خون سے اس کا اخراج نہیں ہو پاتا، اس لیے کہ سور کے عضلات اور ان کی ساختیں کچھ اس قسم کی واقع ہوئیں اس کے خون سے اس کا اخراج نہیں ہو پاتا، اس لیے کہ سور کے عضلات اور ان کی ساختیں کچھ اس قسم کی واقع ہوئیں کہ اس کے خون سے یورک ایسڈ دو فی صد خارج ہوتا ہے اور باقی حصہ اس کے جسم کا جزو بنا رہتا ہے، چنانچہ سور خود بھی ہمیشہ جوڑوں کے درد میں مبتلا رہتا ہے (اور اس کا گوشت کھانے والے بھی شدید جوڑوں کے درد میں مبتلا رہتے ہیں) اور اس کا گوشت کھانے والے بھی شدید وجعِ مفاصل (Arthritis) اور زہر یلی پیچش اور دیگر بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ ..... ہم مختصراً لکھتے ہیں، اسی کے چند مشہور امراض کی فہرست درج ذیل ہے: جراثیمی پیچش، آنتوں کی دق، اعصابی کمزوری، مرگی، مالیخولیا، طویل بخار، جوڑوں میں درد شدید، ورم، خون کی شدید کمی، وغیرہ۔‘‘

مزید لکھتے ہیں:

’’اس کی چربی کے استعمال سے خون میں کولیسٹرل بڑھتے ہیں جس سے شریانیں تنگ ہوجاتی ہیں۔ شریانوں کی اندرونی نالیوں میں رکاوٹ سے دورانِ خون میں کمی واقع ہونے اور دماغ میں مطلوبہ مقدار خون میں کمی واقع ہونے اور دماغ میں مطلوبہ مقدارِ خون کے نہ پہنچنے سے دماغی فالج Paralysis یا Ischemic Heart Diseases میتوتۃ القلب، دل کو خون سپلائی کرنے والی شریانیں coronary arteries تنگ ہوکر مکمل یا نامکمل طور پر قلب کو نسبتاً کم خون کی سپلائی کرتی ہیں جس کے خطرناک نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ قرآنِ حکیم کے علاوہ انجیلِ مقدس میں بھی سور کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اہلِ مغرب اس کے دل دادہ ہو چکے ہیں، اور ان کی نقل اُتارنے میں اہلِ مشرق بھی مائل نظر آتے ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ خنزیر کا گوشت کھانے والی قوم اور افراد، اس بے حیا جانور کی طرح شرم و حیا سے عاری ہوتے ہیں۔ طبِ قدیم میں صاحبِ مخزن نے اسے (۱۳) امراضِ سوداویہ کا موجب قرار دیا ہے۔‘‘

(اسلام اور جدید میڈیکل سائنس، از ڈاکٹر حکیم سید قدرت اللہ قادری، دار المطالعہ، حاصل پور)

خنزیر کے گوشت میں کولیسٹرول کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ کولیسٹرول جسم میں چکنائی کو بڑھاتا ہے جس کی وجہ سے دل کی بیماریوں کا امکان بہت بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح اس نجس گوشت کے کھانے سے پیٹ کی بیماریاں بھی وجود پاتی ہیں۔ مغرب میں اگرچہ اس گوشت کو اچھی طرح پکا کر کھانے پر زور دیا جاتا ہے، تاکہ اس کی آنتوں میں موجود بیکٹیریا کو ختم کیا جاسکے، تاہم پھر بھی اس کے مضر اثرات کو بالکل ختم کرنا ممکن نہیں۔

شریعت نے اس جانور کو نجس العین (مکمل نجس) قرار دیا۔ قرآنِ کریم کے مطابق بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کی سزا دیتے ہوئے بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔ یہ لوگ تین دن اس طرح رہے، پھر مر گئے۔ جن جانوروں کی صورت میں بطورِ عذاب بدلا گیا، ان جانوروں کو حلال سمجھ کر کھانا عقلِ سلیم کے خلاف ہے۔

کھانے کے متعلق ایک اہم اصول یہ ہے کہ انسان کچھ بھوک رکھ کر کھائے۔ اس سے معدے پر بوجھ بھی نہیں پڑتا اور انسان زیادہ کھانے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بیماریوں سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے کھانے کے اس اصول پر بڑی خوبصورتی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے:

’’عَنْ مِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنٍ، بِحَسْبِ ابْنِ اٰدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهٗ، فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهٖ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهٖ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهٖ.‘‘

(سنن الترمذي، ما جاء في كراهية كثرة الأكل، رقم: ۲۳۸۰)

’’حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ آدمی نے پیٹ سے زیادہ برا برتن نہیں بھرا۔ ابنِ آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر سیدھی رکھ سکیں، لیکن اگر زیادہ کھانا ضروری ہو تو ایک تہائی حصہ (پیٹ) کھانے کے لیے، ایک تہائی پانی کے لیے اور تیسرا سانس کے لیے رکھے۔‘‘

ورزش کی ترغیب

صحت مند جسم اور معتدل زندگی کے لیے آدمی کا متحرک رہنا ضروری ہے۔ غیر متحرک یا ساکن طرزِ زندگی sedantory life style جدید طبی تحقیقات کے مطابق موٹاپے، بلڈ پریشر وغیرہ کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اسلامی طرزِ حیات میں تحرک بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ نماز باجماعت، حج، جہاد، تبلیغِ دین، حقوق العباد کی ادائیگی وغیرہ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ مسلمان متحرک رہے اور دیگر افرادِ معاشرہ سے بالکل کٹ نہ جائے، بلکہ فکری اور جسمانی ہر دو اعتبار سے پردم ہو:

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُردم ہے اگر تو، نہیں خطرۂ اُفتاد

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بلند ہمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ زندگیاں دعوت و جہاد سے عبارت تھیں۔ وہ زاہدِ شب بیدار بھی تھے اور مجاہدِ بلند کردار بھی، وہ واعظِ شیریں گفتار بھی تھے اور میدانِ عمل کے شہسوار بھی:

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دِیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

خداتعالیٰ کے دین کو دنیا میں غالب کرنے والی اس جماعت کے قائد اپنے ساتھیوں کو ایسے کھیلوں اور اشغال کی ترغیب دیتے جس سے ان کے جسم عبادت و جہاد کے لیے مستعد رہیں۔ ایک جگہ ارشاد وارد ہے:

''كُلُّ مَا يَلْهُوْ بِهِ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ إِلَّا رَمْيَةٌ بِقَوْسِهٖ وَتَأْدِيْبُهٗ فَرَسَهٗ وَمُلاَعَبَتُهٗ اِمْرَأَتَهٗ، فَإِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ .'' (سنن الترمذي، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الرَّمْيِ فِيْ سَبِيلِ الله، رقم:١٦٣٧)

''یعنی مردِمومن کا ہر کھیل بیکار ہے سوائے تین چیزوں کے: (۱) تیراندازی کرنا، (۲) گھوڑے سدھانا، (۳) اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا؛ کیوں کہ یہ تینوں کھیل حق ہیں۔''

قرآنِ کریم میں اہلِ ایمان کو کفار کے مقابلے میں قوت جمع کرنے کا حکم دیا گیا، ارشادِ ربانی ہے:

''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ'' (الانفال:٦٠)

''اوران کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت (ہتھیار) سے سامان درست رکھو۔''

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ''قوة'' کی تفسیر ''رمي'' (تیراندازی) سے کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا:

''أَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ'' (مشكاة، باب إعداد آلة الجهاد، رقم: ٣٨٦١)

''خبردار قوة تیراندازی ہے۔''

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بے شک ایک تیر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تین افراد کو جنت میں داخل کر دیتا ہے: ایک تیر بنانے والا، جبکہ وہ تیر بنانے میں ثواب کی نیت رکھے، دوسرا تیر پھینکنے والا اور تیسرا پکڑنے والا، پس اے لوگو! تیراندازی سیکھو۔'' (مشكاة، باب إعداد آلة الجهاد، رقم:٣٨٧٢)

سواری کی مشق اور گھڑسواری کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جس نے اللہ کے راستے میں گھوڑا باندھ کر رکھا، اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے، اس کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے، تو اس گھوڑے کا تمام کھانا پینا حتیٰ کہ گوبر، پیشاب قیامت کے دن اس شخص

کے نامۂ اعمال میں نیکی کے طور پر شمار ہوگا۔'' (مشکاة، باب إعداد آلة الجهاد، رقم:٣٨٦٨)

دوڑ لگانے کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی ہے، طبی اعتبار سے بدن کے لیے یہ بھی مفید ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ کی یاد سے تعلق نہ رکھنے والی ہر چیز لہو ولعب ہے، سوائے چار چیزوں کے: ۱- آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا، ۲- اپنے گھوڑے سدھانا، ۳- دونشانوں کے درمیان پیدل دوڑنا، ۴- تیراکی سیکھنا سکھانا۔'' (کنزالعمال، ج:۱۵، ص:۲۱۱، رقم:۴۰۶۱۲)

پیدل دوڑنے کی اسی افادیت کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عام طور پر دوڑ لگایا کرتے تھے اور ان میں آپس میں پیدل دوڑ کا مقابلہ بھی ہوا کرتا تھا۔ بلال بن سعد تابعیؒ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان بیان کرتے ہیں:

''قَالَ بِلَالُ بْنُ سَعْدٍ: اَدْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُّوْنَ بَيْنَ الْأَغْرَاضِ، وَ يَضْحَكُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ، فَإِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوا رُهْبَانًا.'' (شَرْحُ السُّنَّةِ، مشكاة، باب الضحك، رقم:٤٧٤٩)

''بلال بن سعدؒ کہتے ہیں کہ میں نے صحابۂ کرامؓ کو دیکھا ہے کہ وہ نشانوں کے درمیان دوڑتے تھے اور بعض بعض سے دل لگی کرتے تھے، ہنستے تھے، ہاں! جب رات آتی، تو عبادت میں مشغول ہوجاتے تھے۔''

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہم ایک سفر میں چلے جارہے تھے، ہمارے ساتھ ایک انصاری نوجوان بھی تھا، جو پیدل دوڑ میں کبھی کسی سے مات نہ کھاتا تھا، وہ راستہ میں کہنے لگا: ہے کوئی جو مدینہ تک مجھ سے دوڑ میں مقابلہ کرے؟ ہے کوئی دوڑ لگانے والا؟ سب نے اس سے کہا: تم نہ کسی شریف کی عزت کرتے ہو اور نہ کسی شریف آدمی سے ڈرتے ہو۔ وہ پلٹ کر کہنے لگا: ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ میں نے یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رکھتے ہوئے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجیے کہ میں ان سے دوڑ لگاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، اگر تم چاہو، چنانچہ میں نے ان سے مدینہ تک دوڑ لگائی اور جیت گیا۔'' (صحيح مسلم، باب غزوة ذي قرد وغيرها، رقم:١٨٠٦)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا

مفتی عبید الرحمٰن
مایار، مردان

بہت بڑا گناہ

تعارف و پسِ منظر

نصوص کے پیشِ نظر جو چیز ایک بڑے جرم اور عظیم گناہ کی حیثیت رکھتی ہے، وہ ''صدّ عن سبیل اللہ'' ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو روکنا، اللہ تعالیٰ کے راستے سے یہاں دینِ اسلام اور اس کی تمام تر تعلیمات مراد ہیں۔ اسلامی کتابوں کے اصل مخاطب چونکہ مسلمان ہوتے ہیں اور مسلمان سے یہ تصور نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں کو دینِ اسلام سے روکنے کی جسارت کریں گے، نیز خلافت یا واقعی اسلامی حکومت کے سایہ میں رہتے ہوئے ایک طرف دینی اور مذہبی حس بیدار اور توانا رہتی ہے، ساتھ دینی نقطۂ نظر سے پروپیگنڈہ کا بھی ماحول نہیں ہوتا، اس لیے ایسے ماحول میں رہتے ہوئے ایک مسلمان سے بہت بعید ہے کہ وہ کسی کو دینی تعلیمات سے روکے یا اس کا ذریعہ بنے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ گناہوں کی تفصیلات پر مشتمل کتابوں میں اس گناہ کا عام طور پر ذکر نہیں ملتا۔

یہاں پہلے چند نصوص ذکر کیے جاتے ہیں جن سے اس جرم کی مذمت واضح ہورہی ہے، ساتھ ہر نص سے حاصل ہونے والے کچھ فوائد ونتائج بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیے جائیں گے، اس کے بعد اس کی مختلف صورتیں اوران کے شرعی احکام اور پھر عملی تجاویز ذکر کی جائیں گی۔

مذمت پر مشتمل چند نصوص

ارشادِ خداوندی ہے:

''یَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۖ وَّصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ وَكُفْرٌ بِهٖ

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ'' (البقرۃ:۲۱۷)

ترجمہ: ''لوگ آپ سے شہرِ حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اس میں (خاص طور پر) قتال کرنا (یعنی عمداً) جرمِ عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں روک ٹوک کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجدِ حرام (یعنی کعبہ) کے ساتھ اور جو لوگ (مسجد حرام) کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرمِ عظیم ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا (اس) قتل (خاص) سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

اس آیتِ مبارکہ سے ''صد عن سبیل اللہ'' کا عظیم گناہ ہونا واضح ہو رہا ہے، ایک تو اس لیے کہ اس کو حرمت کے مہینوں میں قتل وقتال کرنے سے زیادہ بڑا (گناہ) قرار دیا، ساتھ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس کو کفر اور مسجد حرام کے اہل کو وہاں سے نکالنے جیسے گناہوں کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا گیا۔ فرمانِ خداوندی ہے:

''وَلَا تَتَّخِذُوْٓا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔'' (النحل:۹۴)

''اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ مت بناؤ، کبھی (اس کو دیکھ کر) کسی اور کا قدم جمنے کے بعد نہ پھسل جائے، پھر تم کو اس کے سبب سے کہ تم (نقض عہد کر کے دوسروں کے لیے) راہِ خدا سے مانع ہوئے تکلیف بھگتنا پڑے اور تم کو بڑا عذاب ہوگا۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

یہاں ''بِمَا صَدَدْتُّمْ'' میں ''ب'' سبب کے لیے ہے اور ''ما'' مصدریہ ہے، حاصل یہ ہوا کہ اگر مسلمان لوگ اپنی قسموں کو باہم فساد کا ذریعہ بنائیں گے تو کچھ لوگ دیکھ دیکھ دین سے ہی برداشتہ ہو جائیں گے، اس کی وجہ سے مسلمانوں کو عذاب وتکلیف اُٹھانی پڑے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو گناہ لوگوں کو دین سے دور کرنے کا باعث ہو، اس کا ارتکاب کرنا اس ناجائز ''خدا تعالیٰ کے راستے سے روکنے'' میں داخل ہے، اگرچہ کرتے وقت یہ پہلو مقصود نہ بھی ہو۔ نیز ضابطہ یہ ہے کہ جس گناہ پر عذاب کی وعید آئی ہو وہ کبیرہ گناہ قرار پاتا ہے۔ متعدد آیات میں عذاب کی وعید وارد ہونے سے واضح ہو جاتا ہے کہ خدا کے راستے سے روکنا کبیرہ گناہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَنَادٰٓى أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ أَصْحٰبَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۗ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ أَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ۔'' (الاعراف:۴۴،۴۵)

ترجمہ: ''اور اہلِ جنت اہلِ دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا ہم

نے تو اس کو واقع کے مطابق پایا، سو (تم سے) جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تم نے بھی اس کو مطابق واقع کے پایا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں! پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان میں پکارے گا کہ اللہ کی مار ہو (ان) ظالموں پر، جو اللہ کی راہ سے اِعراض کیا کرتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے رہتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

اس آیت سے واضح ہوا کہ:

الف: جو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں، وہ کھلے ظالم ہیں۔

ب: ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور اور لعنت کا نشانہ بنیں گے۔

ج: ایسا کرنا اہلِ جہنم کی صفت اور ان کی عادت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ ۢ بَعِيْدٍ.'' (ابراہیم:۲،۳)

ترجمہ: ''اور بڑی خرابی یعنی بڑا سخت عذاب ہے ان کافروں کو جو دنیوی زندگانی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور (بلکہ) اللہ کی راہ (مذکور) سے روکتے ہیں اور اس میں کجی (یعنی شبہات) کے متلاشی رہتے ہیں، ایسے لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

اس آیتِ کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ ''خدا تعالیٰ کے راستے سے روکنا'' بڑی گمراہی ہے، کافروں کی بری اور بہت ہی مذموم صفت ہے، ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے کافر لوگ بھی سخت عذاب سے دوچار ہوں گے۔ فرمانِ ربانی ہے:

''اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ شَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا وَّسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ.'' (محمد:۳۲)

ترجمہ: ''بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور انھوں نے اللہ کے رستہ سے روکا اور رسول (علیہ السلام) کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان کو رستہ نظر آچکا تھا، یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مٹا دے گا۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

اس آیتِ مبارکہ میں تین گناہوں اور جرائم کی بنیاد پر ''حبطِ اعمال'' یعنی نیک اعمال ضائع ہونے کی وعید سنائی گئی ہے، ان تین میں سے ایک جرم یہی ''صدّ عن سبیل اللہ'' (اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنا) ہے اور نیک اعمال کی بربادی میں اس عمل کا خاص دخل ہے۔ اسی سورت کی بالکل پہلی آیت میں پہلے دو جرائم یعنی

کفر اور ''صد عن سبیل اللہ'' پر بھی (نیک) اعمال کا گنوا دینا مذکور ہے۔

اس کے علاوہ مختلف آیات سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ کام احبار و رہبان، اہلِ کتاب، قومِ لوط اور مشرکین کے اعمالِ بد کی فہرست میں نمایاں طور پر شامل تھا۔

اللہ کے راستے کے دو مصداق/صورتیں

زیرِ بحث گناہ ''اللہ کے راستے سے روکنے'' کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں جن میں سے چند نمایاں صورتیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

اس مسئلہ میں ''اللہ کے راستے'' کا مصداق پورا دین اسلام بھی ہے اور اس کی مختلف شاخیں بھی، چنانچہ بعض دفعہ پورے دینِ اسلام ہی سے لوگوں کو دور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی شخص اس دین میں داخل نہ ہو یا جو لوگ اس کے تحت سرسری طور پر داخل ہیں، وہ اس کے ساتھ پوری وابستگی اختیار نہ کرلیں، جبکہ بعض مرتبہ پورے دین کے ساتھ تو ایسا معاندانہ رویّہ اختیار نہیں کیا جاتا، تاہم اس کے بعض شعبوں کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا جاتا ہے، چنانچہ مختلف طبقات ایسے ہیں جو سود، پردہ، مسنون لباس وحلیہ وغیرہ مسائل سے لوگوں کو دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

روکنے کی متعدد صورتیں

پھر خدا تعالیٰ کی اس راہ سے ''روکنے'' کی بھی دسیوں شکلیں ہوسکتی ہیں، بنیادی طور پر اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: صراحت کے ساتھ روکنا، مثال کے طور پر کوئی شخص/تنظیم/ملک یہ اعلان کرے کہ کوئی اسلام قبول نہیں کرے گا، یا کوئی شخص/گھرانہ فلاں شرعی حکم پر عمل نہ کرے۔

ب: صراحت کیے بغیر روکنا، مثال کے طور پر کوئی شخص/تنظیم/ملک کسی مجبوری یا مصلحت کے پیشِ نظر باقاعدہ طور پر یہ اعلان تو نہ کرے کہ کوئی اسلام قبول نہیں کرے گا، یا کوئی شخص/گھرانہ فلاں شرعی حکم پر عمل نہ کرے، لیکن یہی مقصود دوسرے طریقے سے پورا کرے۔

ان دونوں طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ سے اس مذموم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف وسائل اختیار کیے جاتے ہیں، مثال کے طور پر:

الف: بعض اوقات اس پر سزا مقرر کی جاتی ہے کہ جو شخص اس اعلان کی خلاف ورزی کرے گا، اس کو جسمانی سزا دی جائے گی، بعض جگہ جسمانی سزا کی جگہ مالی یا قید و بند کی سزا تجویز کی جاتی ہے۔

ب: بعض اوقات اس اعلان کی پاسداری پر انعام مقرر کر دیا جاتا ہے، مثال کے طور پر جو شخص اسلام قبول نہ کرے یا اسلام کے مخصوص حکم کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرے، اس کے لیے کوئی انعام دیا جاتا ہے، پھر یہ انعام بعض اوقات تو نقد رقم یا قیمتی اشیاء کی صورت میں اس کو دیا جاتا ہے، بعض اوقات منصب ولقب کی شکل میں، جبکہ بعض اوقات کسی بدنی یا مالی بوجھ سے چھوٹ دینے کی صورت میں اس کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

ج: اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ موافق یا مخالف ماحول پیدا کرنا بھی جزا وسزا کی ایک صورت اور خدا تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی ایک شکل ہے، اور بہت سی جگہ ''دین کی راہ سے روکنے'' کے لیے یہی صورت اختیار کر لی جاتی ہے، چنانچہ مسلمان ہونے کی بنیاد پر یا اسلام کے کسی خاص حکم پر عمل کرنے کی بنیاد پر اس کے ساتھ سختی کا معاملہ روا رکھا جاتا ہے اور مسلمان نہ ہونے یا اس کے کسی خاص حکم کی مخالفت کرنے کی بنیاد پر اس کے ساتھ ہمدردی، احسان وإکرام کا معاملہ کیا جاتا ہے۔

د: صراحت کے بغیر روکنے کی ایک صورت وہ بھی ہے جس میں اس وقت مسلمان معاشرے کے متعدد طبقات بھی مبتلا ہیں، وہ یہ ہے کہ خود دین اسلام پر کوئی نقد واعتراض نہ کریں، لیکن مسلمانوں یا دین اسلام کی بعض خاص تعلیمات کے متعلق نقد واعتراض کا ماحول پیدا کریں، اس کے بارے میں لوگوں کی ''رائے عامہ'' کو بدلنے یا ''ہموار'' کرنے کی کوشش کریں، خواہ وہ فلسفیانہ انداز میں اشکال کرنے کی صورت میں ہو یا ماحول وحالات کے سازگار نہ ہونے اور دینی حکم پر عمل کرنے کی صورت میں عائد ہونے والے خطرات وخدشات کو اُبھارنے کی صورت میں ہو، اُبھارنا چاہے خود براہِ راست ہو یا کسی اور فتنہ پرداز شخص کی تشہیر وتعاون کی صورت میں ہو۔

عملی مظاہر

''خدا تعالیٰ کے راستے سے روکنے'' کا جو مفہوم درج بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے، اس کا مختلف سطح پر ارتکاب بلکہ اہتمام کیا جاتا ہے، بہت سی تنظیمیں اور افراد اس کے لیے میدان میں اُتر چکے ہیں، جو مختلف جگہوں پر مختلف طریقوں سے اس مذموم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے شرور سے پوری اُمتِ مرحومہ بلکہ پوری انسانیت کو محفوظ ومامون فرمائے، لیکن درج ذیل میدانوں میں اس کا خاص طور پر ایسا اہتمام کیا جاتا ہے جو مؤثر کن بھی ہے اور تباہ کن بھی:

❶: صحافت: اخبار، رسائل وجرائد، کتابیں اور مقالات۔

❷: میڈیا: صحافت اور میڈیا آپس میں مربوط ہیں، تاہم یہاں اس سے آڈیو، ویڈیو، تصویر،

ڈاکومنٹری، نغمیں، صوتی بیانات وتقاریر وغیرہ جیسی چیزیں مراد ہیں۔

❸: دینی جامہ پہن کر اور مذہبی لبادہ اوڑھ کر قصداً کوئی ایسا غلط کام انجام دینا جو لوگوں کے دلوں میں دین اور اہلِ دین کی بدنامی، ہتکِ عزت وغیرہ کا سبب ہو۔

مختلف درجات وصورتیں اور فقہی حکم

الف: اگر کوئی شخص:

①: دینِ اسلام کے قطعی ثابت شدہ احکام کو درست ماننے کے لیے تیار نہ ہو۔

②: درست تو مانتا ہے، مگر اس کے ماننے کو ضروری نہیں سمجھتا۔

③: درست ماننے کے باوجود اس کے ساتھ نفرت وعناد رکھتا ہو۔

④: اس پر ٹھیک طریقے سے عمل کرنے کو مسلمانوں کی بربادی اور زوال کا باعث سمجھتا ہو۔

⑤: اس کو آج کے دور میں ناقابلِ عمل جانتا ہو اور اس لیے کوئی متضاد راستہ مناسب خیال کرتا ہو۔

تو ان تمام صورتوں میں ایسا شخص کفر کا ارتکاب کرتا ہے اور ایسا شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔

ب: اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کفریہ خیال واعتقاد کا قائل نہ ہو، لیکن یوں ہی کسی دنیوی مفاد کے لیے ایسا کرتا ہو تو یہ سخت گناہِ کبیرہ ہے اور خطرہ ہے کہ اس کا یہ عمل اس کو کفر کی دہلیز تک پہنچا دے۔

ج: کسی شخص سے لاشعوری طور پر ایسا کوئی کام سرزد ہو جائے تو بھی اس کام کی نوعیت کو دیکھ کر حکم متعین کیا جائے گا کہ وہ کس درجے کا گناہ ہے۔

خلاصۂ کلام

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین یا اس کے جزوی مسائل وتعلیمات سے لوگوں کو دور رکھنا، تنفر کرنا بڑے گناہوں اور عظیم جرائم میں سے ایک ہے، قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں اس کی بڑی ہی مذمت فرمائی گئی ہے، اس لیے اس سے بچنے کا پورا پورا اہتمام کرنا ضروری ہے، دیگر گناہوں کی بنسبت اس سے بچاؤ کا زیادہ سامان کرنے کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ یہ صرف ایک گناہ نہیں ہے جس کا اثر کرنے والے تک محدود ہو، بلکہ دیگر افراد تک بھی اس کا فساد متعدی ہو جاتا ہے، البتہ اس کی مختلف صورتیں ہیں جن کے احکام بھی مختلف ہیں، اس کی کچھ تفصیل گزشتہ سطور میں ذکر کی گئی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

علمِ اصولِ حدیث کا تعارف

اہم کتب اور محدثین وفقہاء کے منہج میں فرق

مولانا محمد صدیق ابوالحاج مظفری
استاذ جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد

اصولِ حدیث کا مختصر تعارف

علمِ اصولِ حدیث جو سند اور متن کے احوال کو پہچاننے کے قواعد کا نام ہے، اسے ''علمُ مُصطلَح الحدیث'' بھی کہا جاتا ہے، یہ علم حضراتِ محدثین کے مناہج اور نقلِ روایت میں ان کی مخصوص شرائط کا نام ہے، جو زمانۂ روایت کے شروع سے ہی محدثین کے ہاں رائج ہیں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان شرائط میں مزید تنقیح اور ترمیم ہوتی چلی آئی اور اُصولِ حدیث کی مختلف انواع کے عنوانات قائم ہوتے چلے گئے، علامہ عزالدین ابن جماعہؒ (متوفی: ۸۱۹ھ) نے علمِ حدیث کی مختصر تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''علم الحديث: علمٌ بقوانينَ يُعرف بها أحوالُ السند والمتن.''(۱)

اُصولِ حدیث کی تقسیم

علمِ اُصولِ حدیث کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱-علمِ روایتِ حدیث: یعنی تحملِ حدیث اور اداء حدیث کے مختلف طرق اور الفاظِ حدیث کے ضبط وغیرہ کا علم۔ (یہ علمِ حدیث کا ابتدائی درجہ ہے)

۲-علمِ درایتِ حدیث: یعنی سند اور متنِ حدیث کی جانچ پڑتال کے قواعد وضوابط اور معنی حدیث سے استنباطِ احکام کے اُصولوں کا علم (۲)۔ (یہ علمِ حدیث میں مہارت کا مقام ہے)

اُصولِ حدیث کی انواع کی تعداد

علمِ اُصولِ حدیث کی متعدد انواع بیان کی گئی ہیں، امام المحدثین حافظ ابن الصلاح ؒ (متوفی: ۶۴۳ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''معرفة أنواع علم الحديث'' میں اُصولِ حدیث کی (۶۵) انواع درج فرمائی ہیں، جبکہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (متوفی: ۹۱۱ھ) نے ''تدريب الراوي'' میں اُصولِ حدیث کی (۹۳) انواع ذکر فرمائی ہیں اور بعض حضرات نے ان کے علاوہ مزید انواع بھی شمار کرائی ہیں۔

اُصولِ حدیث کے انواع کی سند اور متن سے تعلق کی نوعیت

حدیثِ رسول (ﷺ) ہمارے پاس رُواتِ سند کے واسطہ سے پہنچی ہے اور بغیر سند کے کوئی بھی حدیث معتبر نہیں ہوتی، اس وجہ سے فنِ حدیث میں سند کو متن کے جزوِ لازم کی طرح سمجھا جاتا ہے، گویا حدیث کے دو حصے ہیں: ۱- سند، ۲- متن۔

حضراتِ محدثین عملی طور پر پہلے سندِ حدیث کی جانچ پڑتال کرتے ہیں، اس کے بعد متن سے بحث کرتے ہیں، بلکہ زیادہ تر اُن کی محنت کی جولان گاہ سند ہی ہوتی ہے، چنانچہ اُصولِ حدیث کی ایک سو (۱۰۰) کے قریب انواع میں سے تقریباً ساٹھ فیصد (۶۰%) انواع کا تعلق سند سے، پینتیس فیصد (۳۵%) انواع کا تعلق متن سے اور پانچ فیصد (۵%) انواع کا تعلق معنی حدیث سے ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاحاتِ متن (یعنی مرفوع، موقوف، مقطوع، متصل، معلق، مرسل، معضل، منقطع، صحیح، حسن اور ضعیف وغیرہ) کا قیام ہی سند (والی انواع) سے بحث پر موقوف ہوتا ہے اور یہ تمام اصطلاحاتِ متن، سند کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں، گویا ان سب اصطلاحات اور القاباتِ متن کی بنیاد سند ہی ہے، اس لیے علمِ حدیث کی لذت کو پانے کے لیے متن سے پہلے سند کے مباحث کو سیکھنا اور ان کی عملی ممارست انتہائی ضروری ہے۔

اُصولِ حدیث کی فطری اور تدریجی ترتیب

مبتدی طالب علم کو اُصولِ حدیث کے مباحث اس طرح بتدریج پڑھنے چاہئیں کہ وہ ''طالبِ حدیث سے محدث'' تک کے سفر کو بآسانی سمجھ سکے، اُس کا ذہن سندِ حدیث کے اُصولوں سے الفاظِ حدیث سے متعلق مباحث کی طرف اور الفاظِ حدیث کے اُصولوں سے معنی حدیث کے مباحث کی طرف بتدریج منتقل ہو اور وہ اُصولِ حدیث کے آپس کے تعلق اور ان میں سے موقوف اور موقوف علیہ کو پہچان کر ہر راویِ حدیث اور اُس کی روایت کی فنی حیثیت کا اچھی طرح اِدراک کر سکے۔

فطری ترتیب کے مطابق علمِ اُصولِ حدیث کے مباحث کا اِجمالی نقشہ اس طرح ہوسکتا ہے:

المقدمة: ''نشأةُ علم مُصْطَلح الحديث، وتاريخُ تدوينه، وأشهرُ المصنفات فيه.''

الباب الأول: ''آدابُ الرواية، وكيفيةُ ضبطها، وطرقُ تحملها، وصيغُ أدائها.''

الباب الثاني: ''الإسنادُ وما يتعلق بذٰلك من معرفة شخصية الرواة وسيرتهم الذاتية.''

الباب الثالث: ''صفةُ من تُقبَل روايتُهٗ ومن تُردُّ روايتُهٗ، وما يتعلق بذٰلك من جرح الرواة وتعديلهم.''

الباب الرابع: ''الخبرُ وأقسامُهٗ من حيثُ عددِ طرقه، ومن حيثُ القبول والردّ، ومن حيثُ الاتصال والانقطاع، وغير ذٰلك مما طالَ فِهْرِسُهٗ.''

اُصولِ حدیث کی تدوین

علمِ اُصولِ حدیث کی باقاعدہ تدوین کا کام تقریباً چوتھی صدی ہجری کے وسط میں شروع ہوا اور اس حوالے سے قاضی ابو محمد رامَہُر مُزیؒ (متوفی: ۳۶۰ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''المُحدِّثُ الفاصلُ'' تصنیف فرمائی، جس میں انہوں نے روایتِ حدیث کے سلسلے میں محدثین کے اصول وقواعد کو اپنے طور پر منضبط کرنے کی کوشش کی۔

قاضی ابو محمد رامَہُر مُزی رحمہ اللہ سے پہلے اگرچہ علماءِ حدیث نے اس فن کے بعض مباحث کو تحریری طور پر جمع کیا تھا، مگر ان کا کام فن میں کوئی مستقل تصنیف کے طور پر نہ تھا، بلکہ وہ ایک طرح کے جزوی مباحث تھے، چنانچہ بعض محدثین نے اپنی کسی حدیثی کتاب کے مقدمہ میں چند حدیثی مباحث جمع فرما دیے، جیسے: سننِ دارمی اور صحیح مسلم کا مقدمہ ہے اور بعض حضرات نے جمعِ روایات اور شرحِ حدیث کے ضمن میں علمِ اصولِ حدیث کی کسی نوع پر بحث کردی، جیسے: جامع ترمذی، شرح معانی الآثار اور شرح مشکل الآثار وغیرہ میں اس طرح بکثرت ہے۔

بعض حضرات نے اصولِ استنباط اور اصولِ فقہ کے موضوع پر بحث کے دوران بعض حدیثی اصولوں کی تنقیح کردی، جیسے: امام شافعیؒ (متوفی: ۲۰۴ھ) کی کتاب ''الرسالة''، اور مشہور حنفی فقیہ عیسیٰ بن اَبانؒ (متوفی: ۲۲۱ھ) کے رسالہ ''الحُجَج الصَّغیرُ'' میں بعض حدیثی مباحث مذکور ہیں اور بعض حضرات نے اس موضوع کی کسی ایک نوع کو لے کر اس پر مستقل رسالہ مرتب فرمادیا اور اس طرح کا کام زیادہ ہوا ہے، جیسے: امام علی ابن المدینیؒ (متوفی: ۲۳۴ھ) کے رسائل (۳)، امام ترمذیؒ (متوفی:

۲۷۹ھ) کا رسالہ ’’العِللُ الصغير‘‘، امام بزارؒ (متوفی: ۲۹۲ھ) کا رسالہ ’’شروطُ القُبول والردِّ‘‘ اور امام طحاویؒ (متوفی: ۳۲۱ھ) کا رسالہ ’’التَّسْو يَةُ بين حدَّثنا وأخبرنا‘‘ ہے۔

اسی طرح بعض حضرات نے اپنی کتاب کے تعارف میں بعض اہم حدیثی مباحث کو پرودیا ہے، جیسے: امام ابوداودؒ (متوفی: ۲۷۵ھ) کی طرف سے اہلِ مکہ کے نام لکھا جانے والا خط بہت سے اہم حدیثی مباحث کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد اُصولِ حدیث کے موضوع پر اختصار اور تفصیل کے ساتھ بہت سی کتابیں لکھی گئیں، بعض حضرات نے فن کے تمام مسائل پر مشتمل جامع کتب تصنیف فرمائیں اور بعض نے مخصوص اصطلاحات کو لے کر ان سے متعلق ائمۂ حدیث کی تفصیلی آراء کو جمع کردیا، چنانچہ ذیل میں چار مختلف عنوانات کے تحت اس حوالے سے لکھی جانے والی پینتالیس (۴۵) اہم کتب کے نام درج کیے جاتے ہیں:

علمِ اصولِ حدیث پر جامع کتب

١-"مَعرِفةُ عُلوم الحديث" لأبي عبد الله الحاكم النَّيْسابوريِّ (المتوفى ٤٠٥هـ).

٢- "الكفاية في علم الرواية " لحافظ المشرق الخطيب البغداديِّ (المتوفى ٤٦٣هـ).

٣- "مَعرِفةُ أنواع علم الحديث" للحافظ ابن الصلاح الشَّهْرَزُوْرِيِّ (المتوفى ٦٤٣هـ).

٤- "إرشاد طلاب الحقائق إلى معرفة سنن خير الخلائقﷺ" للإمام النوويِّ (المتوفى ٦٧٦هـ).

٥- "التقريب والتيسير لمعرفة سنن البشير النذيرﷺ" للإمام النوويِّ (المتوفى ٦٧٦هـ).

٦- "تدريب الراوي في شرح تقريب النَّوَاوي" لجلال الدين السيوطيِّ (المتوفى ٩١١هـ).

٧- "النُّكت على كتاب ابن الصلاح" لبدر الدين محمد بن عبد الله الزركشيِّ (المتوفى ٧٩٤هـ).

٨- "الشذا الفيَّاح من علوم ابن الصلاح" لبرهان الدين الأبناسيِّ (المتوفى ٨٠٢هـ).

٩- "مَحاسن الاصطلاح وتضمين كتاب ابن الصلاح" لسراج الدين البُلقينيِّ

(المتوفى ٨٠٥هـ).
١٠- "التقييد والإيضاح لما أُطلقَ وأُغلقَ من كتاب ابن الصلاح" للحافظ العراقيؒ (المتوفى ٨٠٦هـ).
١١- "النُّكت على كتاب ابن الصلاح" للحافظ ابن حجر العسقلانيؒ (المتوفى ٨٥٢هـ).
١٢- "التبصِرةُ والتذكِرةُ" المعروف بـ"ألفية الحديث" للحافظ ز ين الدين العراقيؒ (المتوفى ٨٠٦هـ).
١٣-"شرح التبصرة والتذكرة" للحافظ ز ين الدين العراقيؒ (المتوفى ٨٠٦هـ).
١٤- "النُّكت الوفية بما في شرح الألفية" لبرهان الدين إبراهيم بن عمر البِقاعيؒ (المتوفى ٨٨٥هـ).
١٥- "فتح المغيث بشرح ألفية الحديث" للحافظ شمس الدين السخاويؒ (المتوفى ٩٠٢هـ).
١٦-"فتح الباقي بشرح ألفية العراقي" للشيخ زكر يا الأنصاريؒ (المتوفى ٩٢٦هـ).
١٧-"مِنْحة المغيث بشرح ألفية الحديث" للشيخ محمد إدر يس الكانْدِهْلَوي (المتوفى ١٣٩٤هـ).
١٨-"الاقتراح في بيان الاصطلاح" للحافظ ابن دقيق العيدؒ (المتوفى ٧٠٢هـ).
١٩- "المنهل الروي في مختصر علوم الحديث النبويﷺ" لبدر الدين ابن جماعةؒ (المتوفى ٧٣٣هـ).
٢٠- "الموقظة في علم مصطلح الحديث " للحافظ شمس الدين الذهبيؒ (المتوفى ٧٤٨هـ).
٢١-"اختصار علوم الحديث" للحافظ ابن كثير الدِّمَشْقيؒ (المتوفى ٧٧٤هـ).
٢٢-"التذكرة في علوم الحديث" للحافظ سراح الدين ابن الملقنؒ (المتوفى ٨٠٤هـ).
(٢٣) "جواهر الأصول في علم حديث الرسولﷺ" لفصيح الدين الهرويؒ (المتوفى ٨٣٧هـ).
(٢٤) "نزهة النظر في توضيح نُخْبَة الفكر في مُصْطَلَح أهل الأثر" للحافظ ابن حجر العسقلانيؒ (المتوفى ٨٥٢هـ).
(٢٥) "توضيح الأفكار لمعاني تنقيح الأنظار" للأمير الصنعانيؒ (المتوفى

١١٨٢هـ).

(٢٦) "ظفر الأماني بشرح مختصر السيد شريف الجرجاني" لعبد الحي اللكنويؒ (المتوفى ١٣٠٤هـ).

(٢٧) "قواعد التحديث من فنون مُصْطَلح الحديث" لجمال الدين القاسميؒ (المتوفى ١٣٣٢هـ).

(٢٨) "توجيه النظر إلٰى أصول الأثر" للشيخ طاهر بن صالح الجزائريؒ (المتوفى ١٣٣٨هـ).

(٢٩) "منهج النقد في عُلوم الحديث" للدكتور نور الدين عِتْرؒ (المتوفى ١٤٤٢هـ).

یہ سب کتابیں فن کے تقریباً تمام اہم مباحث کو جامع ہیں، ان میں بعض کتابیں مفصل اور بعض متوسط پیرائے میں ہیں، درج بالا سطور میں کتابوں کے نام ذکر کرتے ہوئے مؤلفین کی وفیات کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، بلکہ ان کتب کے آپس کے رشتوں اور تعلق کو مدِنظر رکھا گیا ہے، کتاب نمبر (۳) اپنے موضوع کی سب سے اہم اور ''اُمُّ الکتب'' کہلاتی ہے اور علمِ اصولِ حدیث کے موضوع پر بعد کی اکثر کتابیں اسی کی بنیاد پر لکھی گئی ہیں، چنانچہ سطورِ بالا میں ہماری ذکر کردہ کتب میں سے کتاب نمبر (۴) مقدمہ ابن الصلاح کا اختصار ہے، کتاب نمبر (۵) اختصار الاختصار ہے اور کتاب نمبر (۶) اختصار الاختصار کی شرح ہے، کتاب نمبر (۷) سے نمبر (۱۱) تک پانچ کتابیں مقدمہ ابن الصلاح پر فوائد اور اس پر نکت ہیں۔

کتاب نمبر (۱۲) اسی مقدمہ ابن الصلاح کا منظومہ ہے، جو کہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے، کتاب نمبر (۱۳) خود ناظم کی طرف سے اس منظومہ کی شرح ہے اور کتاب نمبر (۱۴) اس شرح پر تعلیقات ہیں، جبکہ بعد کی تین کتب (یعنی نمبر ۱۵، ۱۶ اور ۱۷) اس منظومہ کی اہم شروحات میں سے ہیں، کتاب نمبر (۱۸) سے نمبر (۲۴) تک سات کتب اگرچہ متوسط یا مختصر ہیں، مگر فن کی عمدہ کتب میں سے ہیں، اس فہرست کی آخری پانچ کتب بہت اہم، جامع اور فن کے مسائل کی عمدہ ترتیب پر مشتمل ہیں۔

خاص علم الاسناد اور آدابِ روایت پر اہم کتب

(١) "المحدث الفاصل بين الراوي والواعي" للقاضي أبي محمد الرامَهُرمُزي (المتوفى ٣٦٠هـ).

(٢) "الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع" للخطيب البغداديؒ (المتوفى ٤٦٣هـ).

(۳) "جامع بيان العلم وفضله وما ينبغي في روايته وحمله" لابن عبد البر الأندَلُسيّ (المتوفى ٤٦٣ھ).

(٤) "الإلماع إلى مَعْرِفة أصول الرواية وتقييد السَّماع" للقاضي عياض اليحصُبيّ (المتوفى ٥٤٤ھ).

یہ تمام کتب خاص اسنادی مباحث، لطائفِ سند اور آدابِ روایت کو جاننے کے لیے بہت زیادہ مفید ہیں۔

قواعدِ جرح وتعدیل پر مشتمل اہم کتب

(١) "مقدّمة الجرح والتعديل" لابن أبي حاتم الرازي (المتوفى ٣٢٧ھ)

(٢) "الجواب عن أسئلة في الجرح والتعديل" للحافظ المنذريّ (المتوفى ٦٥٦ھ)

(٣) "مقدمة ميزان الاعتدال في نقد الرجال" للحافظ الذهبيّ (المتوفى ٧٤٨ھ)

(٤) "قاعدة في الجرح والتعديل" لتاج الدين السُّبكيّ (المتوفى ٧٧١ھ)

(٥) "الرفع والتكميل في الجرح والتعديل" للعلامة محمد عبد الحي اللكنويّ (المتوفى ١٣٠٤ھ)

یہ تمام کتب جرح وتعدیل کے اصول وقواعد پر مشتمل ہیں، بطورِ خاص آخری کتاب فن کی اہم جزئیات کو جامع ہے۔

حضرات محدثین اور فقہاء کرام کے منہج میں فرق

حضراتِ محدثین اور فقہاء کرام دونوں کا ہی حدیث سے تعلق ہے اور دونوں ایک دوسرے کے فریق نہیں ہیں، البتہ حدیث سے ان کے تعلق اور کام کی نوعیت میں کچھ فرق ہے، اس سلسلے میں ان کے معیارات الگ الگ ہیں اور معیار کا یہ فرق دراصل ان حضرات کے اغراض ومقاصد کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے، چنانچہ ذیل میں اس سلسلے کے چند امتیازی فروق ذکر کیے جاتے ہیں:

(١) محدثین کی غرض الفاظِ حدیث کی حفاظت واشاعت ہے، جبکہ فقہاء کا اصل ہدف معنی حدیث کی حفاظت واشاعت ہے، اسی لیے فقہاء کرام کی توجہات کا مرکز ''حديث من حيث التشريع واستنباط الأحكام'' ہوتی ہے۔

(۲) محدثین کے بیشتر اُصولوں کا تعلق الفاظِ حدیث کے ثبوت اور ان کی تنقیح سے ہوتا ہے، یہ حضرات سندِ حدیث سے تفصیلی بحث کرتے ہیں، بلکہ ان کے اُصولوں میں نصف سے زائد انواع کا تعلق ہی اسنادِ حدیث سے ہے، جبکہ فقہاء کے اُصولوں میں اکثریت کا تعلق معنی حدیث سے ہے، باقی سند سے متعلق ان کے ہاں صرف ثبوتِ حدیث کی حد تک اجمالی بحث کی جاتی ہے۔

(۳) قبولِ حدیث میں حضرات محدثین بعض ایسی شرائط عائد کرتے ہیں جو فقہاء کے ہاں معتبر نہیں ہوتیں، جیسے: بعض مرتبہ حضراتِ محدثین کسی حدیث میں ایسا شذوذ اور ایسی علتِ اسنادیہ بیان کرتے ہیں کہ فقہاءِ کرام کے ہاں وہ معتبر نہیں ہوتی، چنانچہ اسی کو ذکر کرتے ہوئے ساتویں صدی ہجری کے مشہور محدث اور شافعی فقیہ ابن دقیق العیدؒ (متوفی: ۷۰۲ھ) نے فرمایا: ''محدثین کی بیان کردہ بعض علتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو فقہاء کے ہاں معتبر نہیں ہوتیں''۔ (۴)

(۴) منہج و شرائط کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان حضرات کے مابین نتائج کے باب میں یہ فرق ہوسکتا ہے کہ حضرات محدثین کے ہاں کوئی حدیث غیر معتبر اور شدید ضعیف قرار پائے، جبکہ فقہاءِ کرام کے ہاں وہ قابلِ عمل ہو، چنانچہ اسی بات کو بیان کرتے ہوئے علامہ ابن الجوزیؒ (متوفی ۵۹۷ھ) نے فرمایا ہے: ''محدثین کے نزدیک کسی حدیث کے شاذ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہاء کے ہاں بھی ناقابلِ قبول ہو اور احکام میں دلیل نہ بن سکے''۔ (۵)

(۵) عمل بالحدیث کے سلسلے میں محدثین کا عمومی طرز یہ ہے کہ وہ حدیث کے ظاہری معنی کو لیتے ہیں اور تعارض کے وقت تطبیق اور نسخ متعین نہ ہونے کی صورت میں قوتِ سند کی بنیاد پر راجح مرجوح کا فیصلہ کرتے ہیں، جبکہ فقہاءِ کرام اس موقع پر قرآنِ کریم، احادیثِ مرفوعہ، شریعتِ مطہرہ کے عمومی قواعد، صحابہؓ وتابعینؒ کے تعامل وفتاویٰ جات، حکم کی علت، شارع کی غرض اور حدیث کے ثبوت اور دلالت کے لحاظ سے مراتب وغیرہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کی عملی حیثیت متعین کرتے ہیں اور بسا اوقات دیگر نصوص میں موجود شواہد وقرائن کی بنیاد پر یہ حضرات حدیث کے ظاہری معنی کو چھوڑ دیتے ہیں، گویا فقہاءِ کرام کی نظر دُور رَس ہے، چنانچہ اسی بنا پر دوسری صدی ہجری کے عظیم محدث امام اعمشؒ (متوفی ۱۴۸ھ) نے ایک موقع پر فہمِ حدیث میں امام اعظم ابوحنیفہؒ (متوفی: ۱۵۰ھ) کے کمالِ بصیرت کو دیکھا، تو ان کو مخاطب کرکے فرمایا: ''یا معشر الفقهاء! أنتم الأطباء ونحن الصيادِلة'' (۶) (یعنی آپ حضرات ہی ماہر طبیب ہیں اور ہم تو محض دوافروش ہیں)۔

حدیث کے طالب علم کو چاہیے کہ وہ محدثین اور فقہاء دونوں کے اُصولوں کی حقیقت کو سمجھے اور ان

میں سے ہر ایک کو اپنے درجے پر رکھے، تاکہ علم کا حق ادا ہو اور شکوک وشبہات کا دروازہ بند ہو جائے۔

اصولِ حدیث میں منہج حنفیہ پر مشتمل کتب

اصولِ حدیث کے وہ مباحث، جو براہِ راست احکامِ فقہیہ پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جن کا کسی درجے میں فقہ الحدیث اور استنباط الاحکام سے تعلق ہوتا ہے، ان مباحث سے عموماً فقہاء کرام ہی تفصیل سے بحث کرتے ہیں اور ان میں بسا اوقات فقہاء کرام کی آراء محدثین سے مختلف ہو جاتی ہیں، اس سلسلے میں فقہاء احناف کے منہج اور اُن کی آراء کو جاننے کے لیے ایک تو کتبِ اصولِ فقہ کی ''بحث السنة'' کو اچھی طرح پڑھنا چاہیے کہ یہی ان کی آراء کے معلوم ہونے کا اصل مقام ہے اور اس کے ساتھ بطورِ خاص یہ کتابیں دیکھ لینی چاہئیں:

(۱) ''قفْو الأثر في صفْو علوم الأثر'' لرضي الدين ابن الحنبلي (۹۷۱ھ).

(۲) ''إمعان النظر في شرح شرح نخبة الفكر'' للملا محمد أكرم السنديؒ (المتوفیٰ حوالي (۱۱۳۰ھ).

(۳) ''عمدة الأصول في حديث الرسولﷺ'' للشيخ محمد شاه الدهلويؒ (المتوفى ۱۳۰۵ھ).

(٤) ''مَبادئ علم الحديث وأصوله'' لشيخ الإسلام العلامة شبير أحمد العثمانيؒ (المتوفى ۱۳۶۹ھ).

(٥) ''قواعد في عُلوم الحديث'' للعلامة ظفر أحمد العثمانيؒ (المتوفى ۱۳۹٤ھ).

(٦) ''دراسات في أصول الحديث على منهج الحنفية'' للشيخ عبد المجيد التركماني حفظه الله .

(۷) ''حدیث کے اصول ومصطلحات منہجِ حنفی کی روشنی میں''، از مولانا محمد عبداللہ لاجپوری حفظہ اللہ۔

ان میں سے آخری دو کتابیں بہت زیادہ جامع ہیں اور سہل الوصول بھی ہیں۔

فائدہ: اُصولِ حدیث اور اُصولِ فقہ میں نمایاں امتیازات

اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کے درمیان فروق درج ذیل ہیں:

(۱) اُصولِ حدیث درحقیقت نقلِ حدیث کے اُصول ہیں، یہ نفسِ حدیث کے اُصول نہیں ہیں، اسی وجہ سے حدیث کا وجود اور اس کا ظہور ان اُصولوں پر موقوف نہیں، جبکہ اُصولِ فقہ واقعی نفسِ فقہ کے اُصول ہیں، اسی وجہ سے فقہ کا وجود اور اس کا ظہور ان ادلہ واُصولِ فقہ پر موقوف ہوتا ہے اور انہی اُصولوں کی بنیاد

پر فقہی مسائل مستنبط کیے جاتے ہیں۔

(۲) اُصولِ فقہ کا زیادہ تعلق قرآن وحدیث کے معنی ومفہوم اور فقہی حکم کے استنباط سے ہوتا ہے، جبکہ اُصولِ حدیث کا غالب تعلق الفاظِ حدیث سے اور پھر اُن کے ثبوت کی خاطر علم الاسناد اور علمِ جرح و تعدیل سے ہوتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

١- "تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي" : ٢٤/ ٢، ط: دار اليسر، المدينة المنورة

٢- "النكت الوفية بما في شرح الألفية" للبقاعي: ٦٤-٦٣/ ١، ط: مكتبة الرشد، الرياض

۳- امام حاکم رحمہ اللہ (متوفی: ۴۰۵ھ) نے ''معرفة علوم الحديث'' (ص: ۱۷) میں ان کے اُنتیس (۲۹) حدیثی رسائل کے نام شمار کرائے ہیں۔

٤- انظر: "الاقتراح في بيان الاصطلاح" لابن دقيق العيد، ص: ٥، ط: دار الكتب العلمية، بيروت

٥- انظر: "فتح الملهم بشرح صحيح مسلم" للعثماني: ١٣٦/ ١، ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت

٦- "مناقب أبي حنيفة وصاحبيه" للحافظ الذهبي، ص: ٣٥، ط: إحياء المعارف النعمانية، حيدر آباد الدكن

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

ایصالِ ثواب کی درخواست

جامعہ کے سابق استاذ حضرت مولانا عبدالرزاق لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ اور جامعہ کے استاذ مولانا محمد طیب لدھیانوی صاحب اور بھائی حافظ محمد طاہر صاحب کی والدہ ماجدہ ۱۴/ رجب المرجب ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۶/ جنوری ۲۰۲۴ء بروز جمعہ کو انتقال فرماگئیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ ولهٗ ما أعطى وكل شيء عندهٗ بأجل مسمّى. اللّٰهم اغفر لها وارحمها وعافها واعف عنها وأكرم نزلها ووسع مدخلها، آمين.

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

قارئینِ بینات سے اُن کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ہیومن اِزم اور ہیومن رائٹس

مولانا محمد احمد حافظ
مدیر ماہنامہ وفاق المدارس

ملحدانہ افکار کا ایک طائرانہ مطالعہ

(دوسری اور آخری قسط)

ہیومینٹی: تحریک تنویر (روشن خیالی) کا کلیدی تصور

تحریک تنویر (روشن خیالی) کا کلیدی تصور Humanity ہے۔ Emanuel Kant کے مطابق ہیومن بینگ Human Being کا بنیادی وصف اس کی Autonomy یعنی خود اِرادیت اور خود تخلیقیت ہی ہے، وہ اپنی ذات کا مالک خود ہے، وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ ہیومن بینگ معیاراتِ خیر وشر خود متعین کرتا ہے، اس کی بنیادی قدر ''آزادی'' ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف فلاسفی کے مطابق:

> ''ہیومن ازم ہر اس فلاسفی کو کہتے ہیں جو انسانی قدر یا عزت کو تسلیم کرے اور اسے تمام چیزوں کا میزان قرار دے۔''

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین اینڈ ایتھکس میں ہیومن ازم کے بارے میں کہا گیا ہے:

> ''فلسفہ میں ہیومن ازم ہر طرح کی فطریت (ربانیت) اور کلیت کی ضد ہے۔ یہ ایک ایسا فلسفیانہ رجحان دیتا ہے جو انسانی تجربوں کی تشریحات کو ہر طرح کے فلسفہ کا اولین مرکزِ توجہ قرار دیتا اور اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ اس کام کے لیے انسانی علم کافی ہے۔''

امریکی فلسفی کارلس لیمنٹ نے اپنی کتاب ''فلسفۂ انسانیت پرستی'' میں ہیومن ازم کو کھول کر بیان کیا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا کہ اس کے اب تک آٹھ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ صفحہ نمبر: ۱۰ سے وہ ہیومن ازم کے دس بنیادی نکات بیان کرنا شروع کرتا ہے جن میں سے پہلے

پانچ کا معنوی ترجمہ مع اصل متن پیش خدمت ہے:

"First, Humanism believes in a naturalistic metaphysics or attitude toward the universe that considers all forms of the supernatural as myth; and that regards Nature as the totality of being and as a constantly changing system of matter and energy which exists independently of any mind or consciousness."

''اول: ہیومن ازم نیچری مابعد طبیعات یا سادہ لفظوں میں اس رویّے پر یقین رکھتا ہے جس کے مطابق ہر قسم کے مافوق الفطری موجودات (مثلاً: خدا، فرشتے، جنت، جہنم وغیرہ) فرضی قصے کہانیاں اور افسانے ہیں، اور یہ کہ تمام وجودات اور یہ ساری کائنات' مستقل بالذات مادے اور اِنرجی کے باہمی تعامل ہی کا نتیجہ ہیں، جن کے پیچھے کوئی ذہن مطلق یا ناظِم کائنات کارفرما نہیں ہے۔''

"Second, Humanism, drawing especially upon the laws and facts of science, believes that we human beings are an evolutionary product of the Nature of which we are a part; that the mind is indivisibly conjoined with the functioning of the brain; and that as an inseparable unity of body and personality we can have no conscious survival after death "

''دوم: ہیومن ازم کا انحصار بالخصوص سائنسی قوانین وحقائق پر ہے۔ ہیومن ازم کے مطابق ہم انسان اس مادی کائنات -جس میں کہ ہم رہتے ہیں- ہی کا ایک حصہ اور ارتقائی ماحصل ہیں۔ اور یہ کہ نفس یا شعور انسانی دماغ ہی کے تعامل اور فنکشنز کا نام ہے جس کا دماغ کے ساتھ اٹوٹ رشتہ ہے، یعنی نفس انسانی الگ سے کوئی روحانی وجود نہیں بلکہ دماغ ہی کا ایک عمل ہے۔ ہیومن ازم اس بات پر بھی یقین رکھنے کا نام ہے کہ چونکہ انسانی تشخص یا روح اور جسم درحقیقت ایک ہی شے ہے، اس لیے موت کے بعد کسی قسم کی شعوری حیات کا کوئی وجود نہیں۔''

"Third, Humanism, having its ultimate faith in humankind, believes that human beings possess the power or potentiality of solving their own problems, though reliance primarily upon reason and scientific method applied with courage and vision"

''سوم: ہیومن ازم چونکہ 'انسان'' پر ایمان لانے کا نام ہے، اس لیے انسانی مسائل کو حل کرنے میں حتمی فیصلہ (وحی یا آسمانی ہدایت کی بجائے) انسانی عقل اور سائنسی طریقہ کار کا ہے۔''

"Fourth, Humanism, in opposition to all theories of universal

determinism, fatalism, or predestination, believes that human beings, while conditioned by the past, possess genuine freedom of creative choice and action, and are, within certain objective limits, the shapers of their own destiny "

''چہارم: ہر قسم کے نظریہ جبر وتقدیر اور ایمان بالقدر کے برعکس، ہیومن ازم یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسان اپنی قسمت اور تقدیر کا خالق خود ہے، ان معنوں میں کہ جس شے یا عمل کو انسان مثبت سمجھتا ہے، اسے اپنانے یا کرگزرنے میں انسان پوری طرح آزاد ہے، یعنی اسے کسی خارجی یا آسمانی پابندی کی فکر نہیں کرنی چاہیے، وہ اپنے لیے خیر وشر کے انتخاب اور ترجیحات کی درجہ بندی متعین کرنے میں پوری طرح آزاد ہے۔''

"Fifth, Humanism believes in an ethics or morality that grounds all human values in this- earthly experiences and relationships and that holds as its highest goal the this worldly happiness, freedom, and progress – economic, cultural, and ethical – of all humankind, irrespective of nation, race, or religion "

''پانچواں یہ کہ ہیومن ازم کے مطابق اخلاقیات کی تمام تر بنیاد مذہب، قوم یا قبیلے کی روایات و تعلیمات کی بجائے ان دنیاوی اقدار پر ہے جن کے ذریعے انسان اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ خوشیاں، آزادی اور مادی ترقی حاصل کرسکے۔'' (بحوالہ مقالہ جناب ریاض شاہد)

تحریکِ تنویر کی کوکھ سے جنم لینے والا یہ فلسفہ اور مغربی فلاسفر جب انسان ہی کو کائنات کا محور اور خیر وشر کے تعین کا ذمے دار قرار دیتے ہیں تو ایسی صورت میں خدا پرستی کا کیا سوال؟ یہی وجہ ہے کہ ڈیکارٹ کا کہنا تھا کہ:

''وہ ایک ایسی چیز (ذاتِ باری تعالیٰ) کو حق کیسے تسلیم کرے جو محض تصوراتی معلوم ہوتی ہے۔''

فکرِ جدید کے پیغامبر ڈیکارٹ، والٹیئر، کانٹ، نطشے، شوپن ہاور، ہیگل وغیرہ کی مجموعی فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱- انسان کائنات کا محور ومرکز ہے۔ ۲- آزادی آئیڈیل ہے۔
۳- مساوات بنیادی قدر ہے۔ ۴- ریشنیلیٹی معیار ہے۔

ہیومینٹی (Humanity)...... انسانیت نہیں

Humanity کا ترجمہ ''انسانیت'' کیا جاتا ہے جو درست نہیں، ''انسانیت'' چیزے دیگر ہے، اس کے لیے انگریزی کا لفظ Mankind ہے۔ یہی لفظ انسانی اجتماعیت کے لیے انگریزی زبان میں اٹھارہویں صدی سے قبل رائج تھا، اصلاً ''Humanity'' کا تصور ''انسانیت'' کا رَد ہے۔

ان معنوں میں ہیومینٹی کا ترجمہ ’’شیطنت‘‘ یا نفسِ امارہ کے مطیع کے سوا اور کچھ نہیں بنتا، وہ نفسِ امّارہ جس کے بارے میں قرآن کریم نے ارشاد فرمایا ہے:

’’اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ...الخ۔‘‘

ہیومن ازم کی بجا طور صحیح تشریح مشہور امریکی مفکر وٹمن کا وہ باغیانہ رجز ہے، جسے امریکی دانشور رچرڈ رارٹی نے اپنی کتاب ’’اچیونگ آور کنٹری‘‘ (Achieving our country) شائع شدہ ہارورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۹۸ء) میں نقل کیا ہے، وٹمن کہتا ہے:

’’اے لوگو! آؤ میری آواز پر لبیک کہو
میری بات غور سے سنو
میں تمہیں خدا کی طرف نہیں بلاتا
میں تمہیں خدا کی عبادت کی طرف نہیں بلاتا
میں تمہیں انسان کی طرف دعوت دیتا ہوں
میں تمہیں انسان کی پرستش کی طرف دعوت دیتا ہوں
اے لوگو! آؤ میری آواز پر لبیک کہو
میری بات غور سے سنو
لوگو! خدا کی جستجو چھوڑ دو، خدا کے لیے مارے مارے پھرنا چھوڑ دو
(یہ سب کارِ لا حاصل اور کارِ عبث ہے)
اس لیے جو اپنی ہم جنسوں کی جستجو اور تلاش میں لگا ہو
اس کو خدا کی جستجو اور تلاش کبھی نہیں ستاتی۔‘‘

رچرڈ رارٹی اپنی مذکورہ کتاب میں امریکی عوام کو مشورہ دیتا ہے کہ:

’’گزشتہ قوموں اور تہذیبوں نے خدا کی رضا جاننے میں اپنی توانائیاں صرف کردی تھیں، جان ڈیوی اور ہیگل نے مغربی عوام کو اس سعی لاحاصل سے نکالا اور انہیں یہ درس دیا کہ وہ اپنی تمام توانائیاں انسان کی رضا اور انسان کی خواہشات کی تکمیل میں صرف کردیں۔‘‘

اس مخصوص تصورِ علم اور تصورِ انسان کو ہیومن بینگ (Humen Being) کہا جاتا ہے۔ اس وقت مغرب میں جتنے بھی علوم پائے جاتے ہیں خواہ سائنس ہو، خواہ سوشل سائنس، ان کے پس منظر میں یہی فکر کارفرما ہے۔ اس سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ ’’ہیومن بینگ‘‘ (Human Being) بنیادی طور پر عبدیت کا رَد ہے، اس لیے کہ ’’عبد‘‘ اپنے ’’ارادے‘‘ اور ’’خواہش‘‘ کے تابع نہیں ہوتا، بلکہ اللہ رب العالمین کا مطیع و

فرماں بردار ہوتا ہے، وہ اپنے لیے معیاراتِ خیر وشر خود تخلیق نہیں کرتا، بلکہ وہ وحی کے ذریعے بتائے گئے خیر و شر میں امتیاز کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ مغربی فکر انسان کی پیدائش، اس کے مقصدِ زندگی اور مابعد الموت کے بارے میں کوئی سوال نہیں اُٹھاتی۔ اس کے ہاں اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملتا کہ آخر انسان کیونکر اس دنیا میں آیا؟ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اس کا محور صرف حال کی دنیا اور انسان اور اس کی خواہشات کی تکمیل ہے، چنانچہ اس کی ساری تگ و دو اسی دنیا کو تسخیر کرنے اور اسی کو جنت بنانے پر ہے۔

یورپی معاشرے میں یہ فکر اچانک پروان نہیں چڑھی، بلکہ صدیوں کا دَور اس عمل میں صرف ہوا ہے۔ اسی فکر کی بنیاد پر ہیومن رائٹس (انسانی حقوق) کا عالمی چارٹر مرتب ہوا۔ اس چارٹر کے تین لازمی جز ہیں:

❶ - ''آزادی'' جو عبدیت کا رد ہے، جسے ہم دین اور الہامی تعلیمات سے بغاوت تصور کرتے ہیں۔

❷ - ''مساوات'' جس کا مطلب حق اور باطل، صحیح وسقیم، اسلام اور کفر کی برابری ہے، جو دراصل نظامِ ہدایت کا رد ہے۔

❸ - ''ترقی'' جسے دوسرے لفظوں میں ہم عیش وعشرت، لذات کے حصول کی جدوجہد اور طولِ امل کے فروغ سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

انسانی حقوق کا چارٹر اور اس کے مصنفین

ہیومن ازم اور اس سے متعلق نظریات کے فروغ میں بیسیوں مفکرین کے نام لیے جاسکتے ہیں، انہی کی جدوجہد تھی کہ فرانس، برطانیہ، امریکا، جرمنی وغیرہ میں مذہب بیزار انقلابات رونما ہوئے، فرانس کا اعلانِ آزادی اور امریکا کا اعلانِ آزادی آپس میں گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ ''آزادی'' سے مراد یہاں کسی غیر ملکی تسلط سے آزادی نہیں بلکہ مذہب، پادری، بائبل، اخلاقی حدود وقیود سے آزادی شامل ہے۔

تاریخی طور پر دیکھا جائے ۱۷۷۶ء میں امریکا کا اعلانِ آزادی سامنے آیا۔ ۱۷۸۸ء میں امریکی دستور ''بل آف رائٹ'' (حقوق کا بل) مرتب ہوا۔ امریکی دستور کا ماخذ ''فیڈرلسٹ پیپرز'' ہیں۔ ''فیڈرلسٹ پیپرز'' وہ مضامین تھے جو دستور کی حمایت میں امریکا کے پہلے وزیر خزانہ الیگزینڈر ہملٹن، امریکا کے پہلے چیف جسٹس جان جے اور امریکی صدر جیمس میڈسن نے امریکی اخباروں میں لکھے تھے۔ یہ تمام مضامین مغرب کے ملحد مفکرین اور ہیومن ازم کے پرچارک فلسفیوں کے افکار ونظریات کی روشنی میں لکھے گئے تھے۔

اقوامِ متحدہ کا منشور The Universal Declaration of Rights ''آفاقی اعلامیہ برائے حقوق'' (جس کا ترجمہ ''انسانی حقوق'' کیا جاتا ہے) اسی امریکی دستور ''بل آف رائٹ'' کا چربہ

ہے۔اس منشور کی مصنفہ اس وقت کے صدر روز ویلٹ کی بیوی ایلینا روز ویلٹ تھی۔

’’ہیومن رائٹس‘‘ کے نفاذ کے لیے عالمی طاقتوں کا جبر

اقوامِ متحدہ تنظیم کی جانب سے تمام ممبر ممالک پابند ہیں کہ وہ ’’ہیومن رائٹس‘‘ کو آفاقی، عالمی اور ناقابلِ چیلنج قانون تسلیم کرتے ہوئے اس پر دستخط کریں۔

چنانچہ مسلم ممالک بھی اقوامِ متحدہ کا ممبر بنتے وقت اس پر اپنے دستخط کے ساتھ توثیق کرچکے ہیں۔ اس منشور پر دستخط کے بعد ممبر ممالک کے لیے بین الاقوامی قانون کے تحت یہ درست نہیں کہ وہ ہیومن رائٹس کے علی الرغم کوئی قانون سازی کرسکیں، مقامی قانون سازی میں ہیومن رائٹس کو مدِنظر رکھنا لازمی ہے۔

یواین ڈی پی کی ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ ۲۰۰۰ء میں ہیومن رائٹس کے فروغ کے لیے تین اہم خطوط متعین کیے گئے تھے۔اس رپورٹ میں جن ترجیحات کا تعین کیا گیا، وہ درج ذیل تھیں:

❶ - تیسری دنیا کے ممالک بین الاقوامی قوانین کی ملکی قوانین پر بالادستی تسلیم کرلیں جو ہیومن رائٹس سے متعلق سول لبرٹیز کو عالمی سطح پر نافذ کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔

❷ - قومی ریاستوں کا ڈھانچہ ان بین الاقوامی قوانین اور عدالتی تنظیموں کے ماتحت کردیا جائے جو کیپٹیل ازم کی عالمگیریت کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔

❸ - معاشرتی سطح پر ایسی گروہ بندیاں قائم کی جائیں جو حقوق کی سیاست کو فروغ دیں اور قومی ریاستوں کے عالمی سرمایہ کے ماتحت ہوجانے کے عمل کی تائید کریں، اور اس کا جواز عوامی سطح پر پیش کریں۔

اقوامِ متحدہ کی ذیلی تنظیمیں اور مغرب کی پروردہ این جی اوز اس بات کی مانیٹرنگ کرتی رہتی ہیں کہ کسی ملک میں ہیومن رائٹس کی خلاف ورزی تو نہیں ہورہی؟ چنانچہ ایک مرتبہ یواین او کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے اپنی خواہش ظاہر کی تھی کہ جو ملک بھی حقوقِ انسانی کے ماورا قانون سازی کرے، اس کے خلاف اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل فوجی کارروائی کرے۔اس نے کہا تھا کہ کسی حکومت کو حق حاصل نہیں کہ وہ قومی خود مختاری کو آڑ بنا کر ہیومن رائٹس سے انکار کرے۔

ہیومن ازم (انسان پرستی) کا فلسفہ قرآن وسنت کی روشنی میں

مغربی فلسفہ صرف اس دنیا (This world) سے بحث کرتا ہے، یہ کائنات کیسے وجود میں آئی؟ انسان پیدائش سے قبل کیا تھا؟ اس کا مقصدِ پیدائش کیا ہے؟ اور مرنے کے بعد کیا پیش آئے گا؟ ان سوالوں کا جواب اس کے پاس نہیں ہے۔مغربی فلسفہ انسان کی تخلیق کے بارے کہتا ہے کہ انسان بس پھینک دیا گیا ہے ......کس نے پھینکا؟ کہاں پھینکا؟ کیوں پھینکا؟ ان سوالوں کے جواب اس کے پاس نہیں ہیں۔

مشہور جرمن فلسفی مارٹن ہائیڈگر (Marten Heidegger) کے بقول انسان اشیاء کو پاتا ہے، اشیاء کو تخلیق نہیں کرسکتا، وہ کائنات میں پھینک دیا جاتا ہے۔

اور سارتر (sartre) کے بقول کون کس وقت کیوں کائنات میں پھینکا گیا ہے؟ یہ ہم نہیں جان سکتے۔ چونکہ انسان کائنات میں پھینک دیا جاتا ہے؛ وہ کائنات میں تنہا ہے اور اس کے وجود کو ایک دن ختم ہوجانا ہے، اس لیے خیر وشر کے ایسے دائمی پیمانے بنانا جو ذاتی اخلاقیات پر مشتمل ہوں؛ پیش نہیں کیے جاسکتے۔

یہ کیسی لغو بات ہے کہ انسان کی تخلیق اور مقصدِ تخلیق ہی کسی فکر میں لایعنی ہو، قرآن مجید کائنات، انسان کی تخلیق اور مقصدِ تخلیق کا نہ صرف مکمل اور تسلی بخش جواب دیتا ہے، بلکہ انسان کے ضعف وعجز اور اس کی محدود قوتِ خیال وعمل کو بھی کھول کر بیان کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

’’اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ‘‘ (سورۃ العلق:۱-۲)

’’اے پیغمبر! (جو قرآن نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجیے۔‘‘

تخلیقِ کائنات وانسان کی اپنی جانب نسبت کے بعد اس کی مزید وضاحت یوں فرمائی:

’’هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا‘‘ (سورۃ الدھر:۱-۲)

’’بیشک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابلِ تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا، بلکہ نطفہ تھا) ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں تو (اسی واسطے) ہم نے اس کو سنتا دیکھتا (سمجھتا) بنایا۔‘‘

صرف یہی نہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کردی؛ بلکہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

’’لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ‘‘ (التین:۴)

’’ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔‘‘

تخلیق کے بعد انسان کو تکریم وعزت سے نوازا، پاکیزہ رزق عطا فرمایا:

’’وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ‘‘ (الاسراء:۷۰)

یہ حقیقت ہے انسان ایک وقت تھا کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز ہی نہیں تھا، اس کی تخلیق ہوئی بھی تو ایسے ننھے سے قطرے سے جو بدبودار ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان خود بخود پیدا نہیں ہوا، اسے پیدا کرنے والی کوئی ہستی ہے، پھر انسان کو بے ڈھنگا پیدا نہیں کیا، بلکہ توازن اور خوبصورتی کے ساتھ وجود بخشا، اسے عزت وکرامت عطا کی، بحر وبر میں چلنے اور سفر کرنے کی سہولت دی، پاکیزہ رزق عطا فرمایا، اس کی تخلیق کا مقصد بھی بتادیا:

’’وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ‘‘ (الذاریات:۵۶)

’’اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔‘‘

لیکن انسان خیال کرے کہ وہ اپنی reason کے بل بوتے زندگی کے معنی تلاش کرسکتا ہے، خیر وشر کی تعیین کرسکتا ہے، وہ اپنی reason کی راہنمائی میں کائناتِ ارضی میں خاص قوانین کا اجراء کرسکتا ہے تو یہ اس کی خام خیالی ہے، اس لیے کہ کائنات کے نظام کو چلانے کے لیے علمِ کلی ضروری ہے، ایسی ہستی جو علیم وخبیر ہو، اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

انسان تو نارَسائیوں کا پیکر ہے، حقائق تک اس کی مکمل رسائی نہیں ہے، وہ اپنی موت تک کا اِدراک نہیں کرسکتا۔ وہ اپنی موت کے معین وقت سے واقف نہیں ہے، وہ نہیں جانتا کہ آئندہ اسے کیا بیماری لاحق ہونے والی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انسان کی نارَسائیوں، اس کے عجز ودرماندگی اور بے چارگی کو کھول کھول کر بیان فرمایا ہے، تاکہ وہ اپنی حقیقت سے آگاہ رہے۔ ذرا دیکھیے! قرآن انسان کے بارے کیا کہتا ہے؟!:

’’وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا‘‘ (الاسراء:۸۵)

’’اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔‘‘

جب یہ بات ہے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ محض اپنی عقل اور اَٹکل کے زور سے خیر وشر کی تعیین کر سکے؟!۔

’’وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا‘‘ (النساء:۲۸)

’’اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔‘‘

’’اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ‘‘ (ابراہیم:۳۴)

’’(مگر) یہ سچ ہے کہ آدمی بہت ہی بے انصاف بڑا ہی ناشکرا ہے۔‘‘

’’اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ‘‘ (الزخرف:۱۵)

’’واقعی انسان صریح ناشکر ہے۔‘‘

’’اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ‘‘ (العادیات:۶)

’’بیشک (کافر) آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔‘‘

’’اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا‘‘ (المعارج:۱۹)

’’انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے۔‘‘

’’اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ‘‘ (یٰسین:۷۷)

’’کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا، سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا۔‘‘

’’خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ‘‘ (الانبیاء:۳۷)

’’انسان جلدی ہی (کے خمیر) کا بنا ہوا ہے۔‘‘

’’لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ‘‘ (البلد:۴)

’’ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔‘‘

’’وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلاً‘‘ (الاسراء:۱۱)

’’اور انسان (کچھ طبعاً ہی) جلد باز (ہوتا) ہے۔‘‘

’’وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا‘‘ (الاسراء:۱۰۰)

’’اور آدمی ہے بڑا تنگ دل۔‘‘

’’وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْئٍ جَدَلاً‘‘ (الکہف:۵۴)

’’اور اس پر بھی منکر آدمی جھگڑے میں سب سے بڑھ کر ہے۔‘‘

’’اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا‘‘ (الحشر:۷۲)

’’وہ ظالم ہے، جاہل ہے۔‘‘

’’كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى‘‘ (العلق:۶)

’’سچ مچ بیشک (کافر) آدمی حد (آدمیت) سے نکل جاتا ہے۔‘‘

تو جب انسان کی غالب صفات یہ ہیں کہ وہ قلیل العلم، ضعیف البدن، خواہشات کے گھوڑے کا سوار، سرکش، ظلوم وجہول، جھگڑالو، جلد باز، بے صبرا، ناشکرا، تنگ دل، حق کا حریف رہنے والا ہے، تو کیسے ممکن ہے کہ وہ انسانی معاشرت کی بقاء وتسلسل کے لیے آفاقی اور دائمی راہنما اصول وضع کر سکے؟!۔

آج آسمانی ہدایت کو چھوڑ کر جن معاشروں نے خودساختہ؛ وضعی قوانین کے ذریعے کاروبارِ حیات چلانے کی کوشش کی، ان کی کیا حالت ہے؟ کیا وہ بدترین تنزلی کا شکار نہیں ہو چکے؟! کیا ان کے ہاں خاندان کا ادارہ باقی رہا ہے؟ ان کے ہاں عفت وعصمت کوئی معنویت رکھتی ہے؟ ظاہر ہے جواب نفی میں ہے۔

ہر فکر اپنی مابعد الطبیعات اور اپنے ذیلی اثرات ونتائج سے پہچانی جاتی ہے

یہ بات طے شدہ ہے کہ ہر فکر اپنی مابعد الطبیعات، اپنے پس منظر اور پیش منظر سے پہچانی جاتی ہے۔ انسان کا عقیدہ اس کی عملی زندگی پر ٹھوس اثرات رکھتا ہے۔ صالح عقیدہ کے اثرات اور فاسد عقیدے کے اثرات میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ عقائد کی درستی سے انسان کا حال درست ہوتا ہے۔ حال اس وقت درست ہوتا ہے جب انسان کا دل ایمان باللہ اور اخلاص فی اللہ سے معمور ہو۔ توحید، رسالت، قیامت،

عدالت، اور آخرت جو ہماری ایمانیات میں شامل اور غیر متبدل عقائد ہیں؛ کسی شخص کا ان عقائد پر ایمان جتنا قوی ہوگا، اس کے وجود سے نکلنے والے اعمال اسی قدر صالح اور راست ہوں گے۔

اسلامی معاشروں میں بندگیِ رب، خدا خوفی و خدا ترسی، امن وسلامتی، صدق و دیانت، غریبوں، یتیموں، مسکینوں، ضعیفوں کی خبر گیری، شجاعت و غیرت، جیسی اعلیٰ قدریں اور بلند مرتبہ اوصاف کا پیدا ہونا یقینی امر ہے۔ صرف انہی معاشروں میں عدل وانصاف کا بول بالا ہوتا ہے اور ظلم و ناانصافی ناپید ہوجاتے ہیں، اس لیے کہ مومن اپنے ایمان کی قوت کی بدولت اطمینان کی کیفیت میں ہوتا ہے، وہ اپنے رب کی رضا میں راضی ہوتا ہے، اور ہمہ وقت اللہ کی رضا کی تلاش میں رہتا ہے، وہ صابر وشاکر اور قانع ہوتا ہے۔ وہ ہر ایسے کام سے بچتا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا اندیشہ ہو، چنانچہ اس کے اعضاء وجوارح سے صادر ہونے والے اعمال میں سلامتی ہوتی ہے، مخلوقات اس سے امن پاتی ہیں۔

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں کے وہ معاشرے جنہوں نے ہیومن رائٹس (انسانی حقوق) کو قبول کیا، جنہوں نے کتاب اللہ کی جگہ اپنے دستور کو فوقیت دی، وہ معاشرے بدترین خصائل کے مالک، اور نسلِ انسانی کے چہرے پر بدنما داغ ہیں۔ یہ معاشرے غصب، غضب، شہوت، حسد، لالچ اور ظلم و عداوت کے پیکر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان معاشروں کے افراد کا حال اضطراب، بے یقینی اور بے چینی ہے۔ وہ قدرت کی گرفت اور اس کے جبر سے آزاد ہوجانا چاہتے ہیں (جو کہ ممکن نہیں)، چنانچہ وہ شہوت اور غضب کے ذریعے قدرت کے نظام میں فساد پھیلا کر اپنی الوہیت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مغربی معاشرے اسی فسادِ عظیم کے مظہر ہیں۔

ہم یہاں اس بات کا بھی اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ کسی نظامِ فکر کو پرکھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم دیکھیں کہ اس کے بنیادی فلسفہ کو پیش کرنے والے کون لوگ ہیں؟ ان کی ذاتی سیرت اور کیرکٹر کیا ہے؟ آپ کتاب اللہ کے حاملین کی سیرتوں کو پڑھیں اور مغرب کے جدید فلسفیوں کی ذاتی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ مغربی مفکرین اور فلسفیوں کی ذاتی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عموماً انتہائی غلیظ، گھناؤنی اور رَذیل اخلاق کی حامل ہوگی، پھر کیونکر ان کے افکار وخیالات اور فلسفوں میں راستی اور سلامتی ہوسکتی ہے؟!

حقوق العباد اور حقوقِ انسانی میں فرق، اور حقوق کی سیاست کے بھیانک نتائج

گزشتہ سطور میں واضح کیا جاچکا ہے کہ ہیومن رائٹس کا خاص فلسفہ، پس منظر اور خاص اطلاق ہے۔ ہمارے ہاں عموماً بہت سی مغربی اصطلاحات کو محض لفظی مشابہت کی بنا پر اس کے پس منظر میں جائے بغیر قبول

کرلیا جاتا ہے، پھر ان کی اسلامی توجیہات بھی پیش کی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ وہ معذرت خواہانہ ذہنیت ہے، جس نے فرض کرلیا ہے کہ مغرب کو ہر اعتبار سے تفوُّق حاصل ہے، چنانچہ یہ ذہنیت مغربی افکار کو چیلنج کرنے کی بجائے اسے مسلم معاشروں کے لیے قابلِ قبول بنا کر پیش کرتی ہے، اسی کا اثر ہے کہ انسانی حقوق (ہیومن رائٹس) کو حقوق العباد کے مماثل سمجھ لیا گیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ''انسانی حقوق'' (ہیومن رائٹس) ایک خاص ہیومینیٹی کے لیے فرض کیے گئے ہیں، ایسا انسان جو اپنی آزادی (الوہیت اور صمدیت، اپنی غرض، اور خواہش کی تکمیل) پر یقین رکھتا ہو۔ اس کی مثال ''ٹرانس جینڈر رایکٹ'' کی ہے کہ اگر کوئی مرد اپنے آپ کو عورت کے روپ میں منتقل کرنا چاہتا ہے، یا کوئی عورت مرد بن کر رہنا چاہتی ہے تو اسے نہ صرف اس بات کی آزادی ہے، بلکہ اسے قانونی تحفظ دینا ریاست کی ذمہ داری ہے، اس لیے کہ یہ اس کا ذاتی فعل ہے اور اس کی خواہش کی تکمیل میں کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی، یعنی قدرت نے اسے اگر مرد پیدا کیا ہے اور وہ اپنی صنفی حیثیت پہ مطمئن نہیں ہے تو وہ سرکاری کاغذات میں اپنی جنس تبدیل کرا کے عورت بن سکتا ہے۔ عورت مردوں والا لباس پہن کر گھومے پھرے یا مرد عورتوں کا لباس پہنے، انہیں ایسا کرنے سے روکا نہیں جاسکتا۔ یہ اس کا رائٹ (حق) ہے، اس کی بنیاد مغرب کا وہ عقیدہ ہے جسے Freedom آزادی کہا جاتا ہے۔

حقوق العباد: فرض کی ادائیگی اور احساسِ ذمہ داری کو اجاگر کرتے ہیں، جبکہ حقوقِ انسانی کا فلسفہ دوسرے سے اپنا حق چھین لینے اور اپنی غرض پوری کرنے کا نام ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی کی صورت میں انسانوں میں محبت و رفاقت کے جذبات اُبھرتے ہیں؛ جبکہ ثانی الذکر (ہیومن رائٹس پر پریکٹس) کی صورت میں حرص، حسد، رقابت، غصب اور خود غرضی جیسے امراضِ خبیثہ جنم لیتے ہیں۔

اہلِ مغرب/مغربی مفکرین کی طرف سے فراہم کردہ انسانی حقوق کا فریم ورک افراد اور معاشروں کو حقوق کی سیاست کا ایک ایسا تباہ کن ہتھیار دیتا ہے جو انہیں حسد، غضب اور شہوت کا پیکر بنا دیتا ہے۔ حقوق کی سیاست کا مطلب دوسرے سے اپنا حق چھین لینا ہے۔ سرمایہ دارانہ جمہوری معاشروں میں حقوق کی ادائیگی کی بجائے حقوق کے حصول پر زور ہوتا ہے، چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے تنظیمیں، پارٹیاں قائم ہوتی ہیں۔ یہ پارٹیاں وطنیت، قومیت، علاقائیت، مذہبیت کی بنیاد پر قائم ہوتی ہیں، چونکہ سب کے ہاں حقوق کا مفہوم جدا جدا ہوتا ہے، اس لیے سب اپنے من چاہے حقوق حاصل کرنے کے لیے سرگرم ہوتے ہیں، مثلاً: عورتیں سمجھتی ہیں کہ انہیں برابری کے حقوق ملنے چاہئیں تو اس کے لیے جدوجہد کرتی ہیں۔ مزدور اپنی یونینز بنا کر حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں، تاکہ انہیں اپنی من چاہی اُجرتیں مل سکیں۔ قوم

پرست قومیت کے نام پر پارٹیاں بنا کر اپنے حقوق کے لیے جدو جہد کرتے ہیں۔

مزعومہ انسانی حقوق کا فلسفہ کتاب اللہ کی تعلیم: ''یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' کا رَد ہے۔ اسلام حقوق چھیننے کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ فرد میں اس ذمہ داری کا احساس اُجاگر کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق ادا کرے۔

اسلامی امارت وحکومت کا حاکم اس رویے کا حامل ہوتا ہے کہ بقول سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ''اگر دریائے فرات کے کنارے پہ بھی کوئی کتا پیاسا مر گیا تو مجھ سے اس کی پوچھ ہوگی۔'' دوسری طرف رعایا کا ہر فرد خیال کرتا ہے کہ مجھے اپنے امام اور حاکم کی اطاعت کرنی ہے۔

ماں باپ اپنی اولاد کو شفقت ومحبت اور پرورش سے نوازتے ہیں، جبکہ اولاد والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کے جذبے سے جھکے جاتی ہے۔ استاذ شاگرد کو تعلیم وتربیت سے نوازتا ہے اور شاگرد ادب واحترام کا رویہ اختیار کرتا ہے، یعنی یہاں دونوں جانب کچھ دینے کا جذبہ ہے، نہ کہ لینے اور چھیننے کا۔

الغرض یہ وہ اسباب وعلل ہیں جن کی بنیاد پر ہم ہیومن ازم (Humanism) اور ہیومن رائٹس (Human Rihts) کے رائج فلسفے کو الحاد کا سرچشمہ کہتے ہیں، بلکہ معلوم تاریخ میں جتنے کفریہ مذاہب پائے جاتے ہیں، ان سب میں بدترین کفر، بغاوت، طغیانی وسرکشی کے حامل اس جدید مذہب کو پاتے ہیں:

''اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ.'' (الجاثیہ:۲۳)

''سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے؟ اور خدائے تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے؟ اور خدائے تعالیٰ نے اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، سو ایسے شخص کو بعد خدا کے (گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے، کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟!۔''

آج مسلم معاشروں میں جو اِلحاد اور دہریت کی بادِسموم چل رہی ہے، یہ اسی فلسفۂ ہیومن ازم کی پیدا کردہ ہے۔ یہ کھلی حقیقت ہے کہ جو افراد دینی تعلیمات چھوڑ کر فلسفۂ ہیومن ازم کو اپناتے ہیں، ان کا حال بتدریج پراگندہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ آغاز شک اور ریب سے ہوتا ہے، پھر ترکِ فرائض وواجبات کی باری آتی ہے، بالآخر ہیومنسٹ وجودِ باری تعالیٰ کا ہی انکار کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس فتنہ کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

اللّٰهم أرنا الحق حقًّا و ارزقنا اتباعهٗ و أرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابهٗ

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

رمضان المبارک سے متعلق چند اہم مسائل واحکام

ادارہ

رمضان المبارک کی اطلاع پر جہنم سے آزادی کی خوش خبری والی بات کا حکم

سوال

رمضان المبارک کی خبر دینے سے کوئی خوش خبری ملتی ہے؟ اس کے بارے میں لوگوں میں جو مشہور ہے؟

جواب

رمضان کی سب سے پہلے دوسروں کو اطلاع دینے سے متعلق جو فضیلت عوام میں مشہور ہے کہ: ''جس نے سب سے پہلے رمضان المبارک کی اطلاع دی، اس کو جہنم سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔'' یہ بات حدیث کی کسی بھی صحیح بلکہ ضعیف اور موضوع احادیث پر لکھی گئی کتب میں بھی نہیں ملتی، اس لیے اس کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا درست نہیں ہے، لہٰذا اس طرح کے پیغامات دوسروں کو ہرگز اِرسال نہ کیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی بات کو غلط منسوب کرنا یعنی جو بات آپ ﷺ نے نہیں فرمائی، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ: ''یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔'' بڑا سخت گناہ ہے۔

صحیح حدیث کا مفہوم ہے: ''جس نے مجھ پر جان کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔'' اسی طرح ایک روایت میں ہے: ''جو میری طرف ایسی بات کی نسبت کرے جو میں نے نہیں کہی اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔''

''قال أنسؓ: إنهٗ ليمنعني أن أحدثكم حديثاً كثيراً أن النبي صلى الله عليه

وسلم قال: ’’من تعمد علي كذباً، فليتبوأ مقعدہٗ من النار‘‘.... عن سلمة، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: ’’من يقل علي ما لم أقل فليتبوأ مقعدهٗ من النار.‘‘ (صحیح البخاری، ج:۱،ص:۳۳)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر:144004201614 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

روزے میں واجب غسل کا طریقہ

سوال

روزے کی حالت میں احتلام ہوجائے تو غسل کا طریقہ کیا ہے؟

جواب

رمضان المبارک کے مہینے میں دن میں کسی کو احتلام ہو جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور احتلام کے بعد غسل کا وہی طریقہ ہے جو عام حالات میں ہے، البتہ روزہ کی وجہ سے ناک میں اوپر تک پانی نہیں ڈال سکتا اور نہ غرارہ کرسکتا ہے، صرف کلی کرلے اور ناک میں پانی ڈال لے تو غسل صحیح ہوجائے گا، افطاری کے بعد غرارہ کرنے یا ناک میں پانی چڑھانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر:143909200231 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

رمضان میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ہے

سوال

کیا رمضان میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ہوتا ہے؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں!

جواب

رمضان میں عمرہ کرنے کی مذکورہ فضیلت صحیح احادیث میں وارد ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ’’اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری عورت سے پوچھا: تمہارے لیے ہمارے ساتھ حج کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ اس نے جواب دیا: ہمارے پاس صرف دو اونٹ ہیں، ایک پر میرا بیٹا اور اس کا والد حج کرنے چلے گئے

اور دوسرا ہمارے لیے چھوڑ دیا، تاکہ ہم اس سے کھیتی کو سیراب کرنے کا کام لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب ماہِ رمضان آئے تو اس میں عمرہ کرلینا، کیوں کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔''

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ:

''میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''حج عمرہ سے بڑھ کر ہے، اس لیے کہ حج میں دو باتیں ہوتی ہیں: ایک شعائر اللہ کی تعظیم، اور دوسرا لوگوں کا اجتماعی طور پر اللہ کی رحمت کے نزول کو طلب کرنا۔ اور عمرہ میں صرف پہلی بات پائی جاتی ہے، لیکن رمضان میں عمرہ کرنے میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں، اس لیے کہ رمضان میں نیک لوگوں کے انوار ایک دوسرے پر پلٹتے ہیں اور روحانیت کا نزول ہوتا ہے، اس لیے رمضان میں عمرہ کو حج کے برابر قرار دیا گیا۔'' (اب تو رمضان میں عمرہ کرنے کے لیے بھی ایک بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے)۔

بعض علماء نے یہ توجیہ بھی کی ہے رمضان کے شرف اور فضیلت کی وجہ سے اس میں عمرہ کا ثواب بڑھ جاتا ہے، اس لیے فضیلت والے وقت میں عبادت کا ثواب بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔

باقی رمضان میں عمرے کو حج کے ساتھ اجر وثواب میں تشبیہ دی گئی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رمضان میں عمرہ، فرض حج کا متبادل ہے، لہٰذا رمضان میں عمرہ کرنے سے فرض حج ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا۔

''عن عطاء، قال: سمعت ابن عباس رضي الله عنهما يخبرنا يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لامرأة من الأنصار، - سماها ابن عباسؓ فنسيت اسمها-: مامنعك أن تحجين معنا؟، قالت: كان لنا ناضح، فركبهٗ أبو فلان وابنه، لزوجها وابنها، وترك ناضحاً ننضح عليه، قال: فإذا كان رمضان اعتمري فيه، فإن عمرة في رمضان حجة أو نحواً مما قال.'' (صحیح البخاری، ج:۳،ص:۳)

''وقال النبي صلى الله عليه وسلم: ''إن عمرةً في رمضان تعدل حجةً''، أقول: سرهٗ أن الحج إنما يفضل العمرة بأنه جامع بين تعظيم شعائر الله واجتماع الناس على استنزال رحمة الله دونها، والعمرة في رمضان تفعل فعله، فإن رمضان وقت تعاكس أضواء المحسنين ونزول الروحانية.'' (حجۃ اللہ البالغۃ، ج:۲،ص:۸۹)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144008201398 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

روزے کا فدیہ ادا کرنے کا وقت

سوال

بیماری کی وجہ سے اگر انسان روزہ رکھنے سے قاصر ہے تو فدیہ کب ادا کرے؟ روزے سے پہلے یا دورانِ ماہِ رمضان کسی وقت؟

جواب

صورتِ مسئولہ میں روزوں کا فدیہ رمضان کا مہینہ شروع ہوتے ہی ادا کیا جاسکتا ہے، رمضان شروع ہوتے ہی پورے مہینے کا ایک ساتھ دینا بھی جائز ہے۔ فدیہ کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ روزوں کا فدیہ اسی صورت میں جائز ہے جب کسی کے ذمہ قضا روزے باقی ہوں اور اس کا انتقال ہوجائے، یا وہ اس قدر بیمار ہوجائے کہ اب اس کے صحت یاب ہونے کی اُمید نہ رہے تو ایسے حد درجہ عمر رسیدہ شخص کی طرف سے اس کے قضاء روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ شخص حیات ہے اور بیمار تو ہے، لیکن اس قدر بیمار ہے کہ وہ ایک ایک دو دو کرکے وقفہ وقفہ سے روزے رکھ سکتا ہے تو اس کے ذمے روزہ کی قضاء ہی ضروری ہوگی، فدیہ ادا کرنے سے ذمہ ختم نہیں ہوگا، لہٰذا اگر کوئی شخص روزے رکھنے پر بالکل قادر نہیں اور اس کے صحت مند ہونے کا امکان بھی نہیں ہے تو ہر روزے کے بدلے صدقۂ فطر کی مقدار پونے دوکلو گندم فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ فدیہ میں صدقۂ فطر کی طرح گندم کے بجائے اس کی قیمت بھی ادا کرنا جائز ہے۔

’’(و للشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر و يفدي)وجو با ولو في أول الشهر......، وفي الرد : لأن عذرهٗ ليس بعرضي للزوال حتي يصير إلي القضاء فوجبت الفدية، نهر، ثم عبارة الكنز : وهو يفدي إشارة إلي أنه ليس علي غيره الفداء لأن نحو المرض والسفر في عرضة الزوال، فيجب القضاء، وعند العجز بالموت تجب الوصية بالفدية.‘‘

(رد المحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، ج:٢، ص:٤٢٧، ط: سعيد)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144309100246 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

نقد و نظر

نقد و نظر

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

ادارہ

علامہ اقبالؒ اور محسنِ انسانیت ﷺ

پروفیسر ظفر حجازی۔ صفحات: ۲۱۸۔ قیمت: درج نہیں۔ باہتمام: ادارہ معارفِ اسلامی، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور

زیرِ تبصرہ کتابچہ ''علامہ اقبالؒ اور محسنِ انسانیت ﷺ'' پروفیسر ظفر حجازی صاحب کے چند کالموں کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے رسالے ''افکارِ معلم'' میں مختلف اوقات میں لکھے ہیں۔

ان مضامین کے پڑھنے سے ایک قاری کے ذہن میں جو تأثر اُبھرتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کتاب میں علامہ اقبالؒ کے متنوع علوم و افکار کو عوام میں روشناس کرانے سے زیادہ ایک عالم دین جس نے سالہا سال حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس کے سامنے قال اللہ وقال الرسول (ﷺ) کا درس دیا ہو، جس نے ملک اور ملت کے فائدے کے لیے اپنی پوری زندگی جہدِ مسلسل میں گزار دی ہو، جس نے پاکستان بن جانے کے بعد اس کو مسجد کی طرح حفاظت کرنے کو لازم اور ضروری قرار دیا ہو، میری مراد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ ہیں، کو مطعون کیا گیا ہے، ان پر طعنہ زنی کے نشتر چلائے گئے ہیں، یہ کونسی صحافت اور کون سی علامہ اقبالؒ کی علمی و فکری خدمت ہے؟! جب کہ خود علامہ صاحبؒ نے اپنے ان اشعار سے رجوع کرلیا تھا۔ حضور اقدس ﷺ کا تو ارشاد ہے کہ: اس دنیا سے چلے جانوں والوں کو اچھے الفاظ میں یاد کیا کرو، جب کہ اس کتابچہ کے مرتب آج بھی ''مدعی سست اور گواہ چست'' کا مصداق بنے ہوئے ایک عالمِ دین کی تحقیر سے اپنے قلم کو آلودہ کیے ہوئے اس پر اِترا رہے ہیں اور فخر محسوس کررہے ہیں۔

بہرحال عرض یہ ہے کہ علماء دشمنی دین کے لیے زہر قاتل ہے، جس سے ہر آن بچنا چاہیے، خصوصاً عمر کے آخری حصہ میں تو توبہ اور استغفار کی طرف متوجہ رہنا چاہیے، نہ کہ بے گناہ لوگوں کی پوستین دری کی جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم کو سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مسئلہ فلسطین

مولانا زاہد الراشدی صاحب۔ صفحات: ۲۲۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہؓ، خالق آباد، نوشہرہ، کے پی کے، پاکستان

زیرِ تبصرہ کتاب ’’مسئلہ فلسطین‘‘ حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً فلسطین کے بارہ میں تحریر فرمائے ہیں۔ مولانا حافظ خرم شہزاد صاحب نے یہ تمام مضامین مختلف رسائل اور اخبارات سے جمع کر کے ایک خوبصورت ترتیب کے ساتھ القاسم اکیڈمی کو پیش کیے، اس اکیڈمی کے ذمہ داران نے زرِ کثیر صرف کر کے اس سوغات کو عام قارئین اور مسلمانوں کے ہاتھوں تک پہنچانے کا انتظام کیا۔ اس کتاب کو درج ذیل جلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے:

①- مسئلہ فلسطین کا پس منظر، اس عنوان کے تحت ۱۱ مضامین ہیں۔

②- تاریخ یہود اور اسرائیل، اس عنوان کے تحت ۵ مضامین ہیں۔

③- بیت المقدس اور مسلم حکمران، اس عنوان کے تحت ۶ مضامین ہیں۔

④- مسئلہ فلسطین اور مغرب، اس عنوان کے تحت ۵ مضامین ہیں۔

⑤- اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بحث، اس عنوان کے تحت ۶ مضامین ہیں۔

⑥- ضمیمہ، اس عنوان کے تحت ۳ مضامین ہیں۔

یہ کتاب ہر قاری کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔ قضیۂ فلسطین ہے کیا؟ اس کا پس منظر کیا ہے؟ اور پیش منظر کیا ہوگا؟ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ تمام معلومات مل سکتی ہیں۔ اُمید ہے باذوق حضرات اس کتاب کو پذیرائی بخشیں گے۔

میرا اسلامی تہوار

محمد اختر صدیق صاحب۔ صفحات: ۱۹۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ملنے کا پتا: مکتبہ اسلامیہ، جی ایف ۲۶، ہادیہ حلیمہ سینٹر، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور

چند سالوں سے میڈیا کے ذریعہ ہمارے ملک میں مغربی تہواروں کو متعارف کرانے اور رواج دینے کی مذموم کوششیں کچھ زیادہ ہونے لگی ہیں، یہ عمل ہمارے ملک، ہمارے کلچر، ہماری معاشرتی تہذیب اور اسلامی اقدار کے لیے انتہائی تباہ کن ہے۔ محسوس یوں ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر وطنِ عزیز اور ہماری نسل کو تباہی کے گڑھے

میں دھکیلا جارہا ہے۔

موصوف مرتب نے یہ کتاب درج ذیل امور کو سامنے رکھتے ہوئے ترتیب دی ہے:

①- ان چند مغربی تہواروں کا تذکرہ ہے جو ہمارے معاشرہ میں رواج پارہے ہیں۔

②- ان تہواروں کی تاریخی اور شرعی حیثیت کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

③- کفار کی تشبیہ سے باز رہنے اور نقالی سے بچنے کے لیے بالاختصار گزارشات ذکر کی گئی ہیں۔

④- چند اہلِ قلم اور فکرمند دانشوروں کے آرٹیکل بھی کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔

⑤- تمام دلائل کو حوالہ جات سے مزین کیا گیا ہے۔

⑥- من حیث القوم اپنی ثقافت اُجاگر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

کتاب کا کاغذ، طباعت اور جلد بندی عمدہ، اعلیٰ اور خوبصورت ہے۔ اُمید ہے اس کتاب کا ایک بار ضرور مطالعہ کیا جائے گا۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....